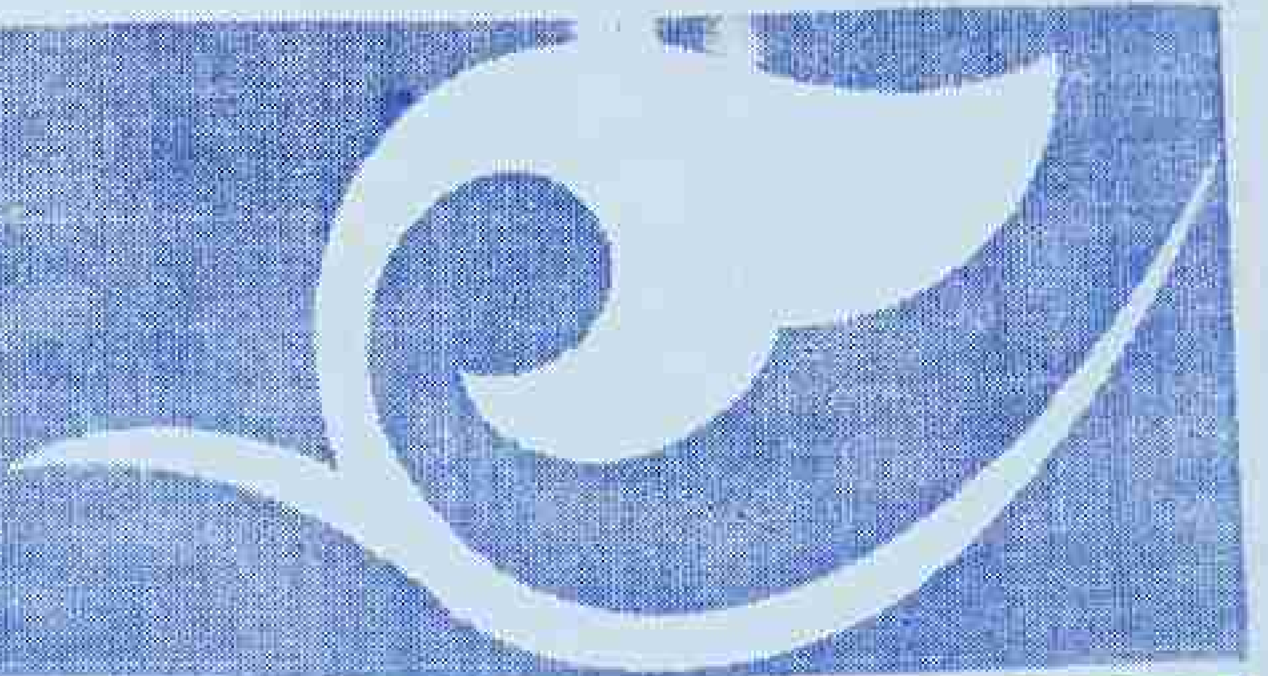


سلسلہ اشاعت نمبر 1



دار العلوم فتحیہ کا ترجمان

اسلامی تعلیمات کا علمبردار

مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ

بیاد: حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ

پکالاڑاں، نزیل احمد پور شرقیہ

نگران اعلیٰ: قاری اللہ بخش، مہتمم جامعہ

مدیر اعلیٰ: مفتی رب نواز

نگران: قاری محمد اسلم، ناظم جامعہ

مدیر: مولانا محمد حسن



شعبہ نشر واشاعت جامعہ دار العلوم فتحیہ احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور

اولئک آباءی

مخالفین کا

حضرت تھانوی کو خراج تحسین

(رب نواز، احمد پور شرقیہ)

علمی مقام ومرتبہ

محمد تنزیل صدیقی صاحب غیر مقلد، حضرت تھانوی صاحب کو "رفیع المرتبت علماء" میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ وہ سندھ میں واقع ایک مدرسہ "دارالرشاد" کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"مدرسے کے معائنے اور امتحان کے لیے رفیع المرتبت علماء کو مدعو کیا جاتا جن میں علامہ شیخ حسین بن محسن یمانی انصاری، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرھم شامل ہیں" (اصحاب علم وفضل ص ۳۶)

عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں: "نامور مسلمان عالم دین" (اہلحدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں ص ۱۳۰)

پروفیسر عبد العزیز منہرو صاحب غیر مقلد، مدرسہ دارالرشاد کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس مدرسہ میں "برصغیر کے نامور علماء کرام تشریف لاتے رہے جن میں .... مولانا اشرف علی تھانوی....... شامل ہیں"۔ (مجلہ بحر العلوم بدیع الدین راشدی نمبر صفحہ ۳۶۶)

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد تسلیم کرتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کو دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی بلکہ وہ مجتہد تھے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ا ص ۲۶۳)

تفسیر بیان القرآن کی مدح

غیر مقلدین کی کتاب "مولانا داود غزنوی" میں لکھا ہے "ایک زمانہ میں مولانا داؤد غزنوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تفسیر نہایت شوق سے پڑھا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ جب

کبھی مفتی (حسن امرتسری) صاحب سے ملنے تشریف لاتے تو اس تفسیر کے بارے میں اپنے خوشگوار تاثرات بیان فرماتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ مولانا تھانویؒ کی تفسیر کے مطالعے کے دوران بعض اوقات میرا جی چاہتا ہے کہ میں ان کا کوئی فقرہ یا لفظ بدل دوں لیکن آخر غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں وہاں وہی فقرہ یا لفظ ٹھیک بیٹھتا ہے"(مولانا داؤد غزنوی ص ۱۹۳)

اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ "ایک بار مولانا داؤد غزنویؒ، مفتی (حسن امرتسری) صاحبؒ سے کہنے لگے: میں نے بیان القرآن میں مولانا تھانویؒ کا ایک استنباط دیکھا جو مجھے بہت پسند آیا ہے مذکورہ استنباط اس آیت کے ضمن میں تھا "**وما یستوی الاعمی والبصیر ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور**" (راوی کہتے ہیں) اس روز بہت دیر تک دونوں میں زیادہ باتیں حضرت تھانویؒ ہی کے بارے میں ہوتی رہیں۔ اس موقع پر مولانا داؤدؒ کہنے لگے مجھے حضرت تھانویؒ سے نہایت انس ہے" (مولانا داؤد غزنوی ص ۱۹۸)

انور طاہر صاحب غیر مقلد، قرآن کے تراجم پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جن مترجم حضرات نے 'عربی مبین' کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ اپنی زبان میں ادا کرنے کی سعی کی تو ترجمانی اور مختصر تفہیم کے لیے قوسین کا اضافہ کیا اس فن میں ڈپٹی نذیر احمدؒ، علامہ وحید الزمانؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ کا اپنا اپنا ایک مقام ہے"۔ (ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۰ صفر ۱۴۲۰ھ ص ۴۳)

مذکورہ عبارت میں "عربی مبین" لکھا ہے شاید کتابت کی غلطی ہے صحیح "عربی متن" محسوس ہوتا ہے۔

ملفوظات و اقوال

غیر مقلدین کی کتاب "مولانا داؤد غزنویؒ" میں لکھا ہے "ایک روز مولانا داؤد غزنویؒ فرمانے لگے میں جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتا ہوں تو کبھی جی چاہتا ہے کہ درود پڑھوں اور کبھی جی چاہتا ہے کہ بعض دوسرے اذکار میں سے کچھ پڑھوں۔ اس سلسلے میں انسب (زیادہ مناسب) کیا ہے؟"

مفتی (حسن امرتسری) صاحب نے کہا: یہ سوال ایک بار میرے بھی دل میں پیدا ہوا تھا اور میں نے حضرت تھانویؒ کو لکھا کہ آپ نے مجھے جو وظیفہ بتایا تھا، اس سے فراغت کے بعد کبھی میرا جی چاہتا ہے کہ فلاں ذکر کروں اور کبھی جی میں آتا ہے کہ فلاں ذکر کروں اس سلسلے میں میری رہنمائی فرمایئے۔

حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا: یہ سب دسترخوانِ باطنی کے کھانے ہیں جب ایک میز پر بہت سے کھانے پڑے ہیں تو ان میں ترتیب قائم نہیں کی جاسکتی۔ ایسے ہی درود واذکار میں بھی طبیعت کے مطابق عمل کیا جاسکتا ہے" مولانا داؤدؒ یہ بات سن کر بولے: جزاک اللہ، آپ نے میرے دل سے بڑا بوجھ اتار دیا"۔ (مولانا داؤد غزنوی ص ۲۰۰)

داؤد غزنویؒ صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: "مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ علماء دیوبند میں ممتاز مقام رکھتے ہیں ان سے دو واقعات ان کے خلیفہ مجاز خواجہ عزیز الحسن صاحبؒ اشرف السوانح میں نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت والا (تھانوی صاحب) جناب مولانا سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ سے جو اہلحدیث کے بہت سربرآوردہ علماء میں سے تھے دو بار ملے۔ ایک بار دہلی میں طالب علمی کے زمانہ میں اور ایک بار آرہ (بہار) میں، دہلی کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

اس زمانے میں ایک غیر مقلد طالب علم مدرسہ دیوبند میں پڑھتا تھا اس نے حضرت امام محمدؒ کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات استعمال کئے تھے اس پر طلباء کو غصہ آگیا۔ یہ سن کر مولوی صاحب نے فرمایا کہ واقعی یہ اس کی بڑی بے جا حرکت تھی۔

دوسرا واقعہ آرہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس وقت ایک غیر مقلد مولوی صاحب نے جو ان کے پاس بیٹھے تھے، دوران گفتگو حضرت ابن ہمامؒ کی کچھ تنقیص کی مولوی صاحب یعنی مولانا نذیر حسین نے ان کو ڈانٹا کہ یہ بڑے لوگ تھے ہمارا منہ نہیں کہ ہم ان کی شان میں کچھ کہہ سکیں۔ (اشرف السوانح حصہ اول ص ۱۲۳۔۱۲۴) یہ دونوں واقعات اہلحدیث علماء کی روایت سے نہیں بلکہ

اکابر علماء دیوبند کے واسطے سے ہیں ان سے کس قدر وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اکابر علماء اہلحدیث امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ اور ان کے بہت بعد کے علماء جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ کے لیے کس درجہ ادب واحترام رکھتے تھے"۔ (الاعتصام ۱۵ اگست ۱۹۵۸ء بحوالہ داؤد غزنویؒ ص ۳۸۰)

احمد رشید لاہوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: "مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ روایت کرتے ہیں کہ: ہمارے مرشد حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحب نہایت رحیم وکریم اور حکیم ومحقق تھے ایک غیر مقلد نے بیعت کی درخواست کی اور یہ شرط لگائی کہ میں غیر مقلد ہی رہوں گا آپ نے نہایت رحمت سے قبول فرمایا اور اس کو بیعت سے مشرف کیا"۔ (ماہنامہ الاحیاء لاہور: ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ ص ۴۳)

تقلید کی جامع ومانع تعریف

ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: "ہر تعریف کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو اوصاف (جامع ومانع) سے موصوف ہو اس لیے ہم نے تقلید کی تعریف علماء اصول کے لفظوں میں بتائی تھی اور امام غزالیؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی تک اقوال نقل کیے تھے۔ ساری تعریفوں کا خلاصہ مولانا اشرف علی تھانویؒ مرحوم کے لفظوں میں یہ بتایا تھا کہ: تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلائے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا' الاقتصاد ص ۶۷"۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص ۲۶۶)

ذوق تصوف

صلاح الدین مقبول احمد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: "مولانا کشمیری (انور کشمیری) اپنی ذہانت و فطانت اور فقہ حنفی کی تائید میں اپنی مثال آپ تھے اور مولانا تھانویؒ کا تصوف وطریقت (پیری مریدی) میں کوئی ہمسر نہ تھا" (تقدیم، اللمحات ص ۴۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں مسائل تصوف کو "مسائل السلوک" کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ غیر مقلدین کی کتاب "ارمغان حنیف" میں حنیف ندوی غیر مقلد کی

تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے: ''گویا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ جیسے صوفی منش بزرگ کی تفسیر بیان القرآن میں مسائل سلوک کی بحث کی طرح مولانا ندوی کی تفسیر میں بھی یہ حصہ وافر مقدار میں موجود ہے حدیث جبریل علیہ السلام کی احسانی کیفیات بھی مولانا نے خوب واضح کی ہیں یہ الگ بات ہے کہ یار لوگ انہیں ''صوفی'' نہ مانیں'' (ارمغانِ حنیف ص ۶۴)

ابوبکر غزنوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''مشائخِ نقشبند کے ہاں لطائف خمسہ میں سے ہر لطیفہ کو علیحدہ علیحدہ ذاکر بنانے کی مشق کرائی جاتی ہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ صرف قلب سے ذکر کی مشق کی جائے اور محض لطیفہ قلب کے مسلسل اور پیہم ذکر سے وہ تمام ثمرات ونتائج حاصل ہو جاتے ہیں جو لطائف کی مشق سے حاصل ہو جاتے ہیں یہ حضرات لطائف کی طرف تفصیلی توجہ کو حجاب سمجھتے ہیں مشائخ کا اختلاف تفصیل سے بیان کرنے کے بعد حضرت والا (داؤد غزنوی) علیہ الرحمہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے طریقے کو ترجیح دیتے ہیں''۔ (مولانا داؤد غزنوی ص ۳۶)

خلافت اور خلفاء

احمد رشید لاہوری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ برصغیر پاک و ہند میں احناف کے ۔۔۔ بزرگ ہیں دیوبندی علماء میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ ۔۔۔ حاجی صاحب کے خلفاء میں شامل ہیں''۔ (الاحیاء لاہور، مارچ ۲۰۱۳ء ص ۴۳)

داؤد غزنوی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: ''مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ خلیفہ اعظم حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ'' (مولانا داؤد غزنوی ص ۳۸۳)

قاضی محمد اسلم صاحب غیر مقلد نے لکھا: ''علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ علمی، دینی اور تحقیقی طور پر برصغیر کی ایک نامور شخصیت تھے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت (بلکہ خلیفہ مجاز بھی، ناقل) تھے'' (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینہ میں ص ۶۰۲)

اہلحدیث مریدین

محمد اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: مولانا سید محمد داؤد غزنوی روایت فرماتے ہیں کہ مفتی (حسن امرتسری) صاحب مولانا تھانوی کے بعض دلچسپ اور پرلطف واقعات بیان فرمایا کرتے تھے مثلاً ۱۔ مولانا محمد جمال صاحب مرحوم امرتسر کے مشہور عالم اور صاحب تقوی بزرگ تھے اور حضرت امام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت۔ جب تک امام صاحب زندہ رہے وہ ان سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے امام صاحب کی وفات کے بعد قدرتی طور پر یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اب وہ کسی صاحب دل کے متلاشی ہوئے اسی اثناء میں انہیں مولانا تھانویؒ کے بارے میں معلوم ہوا تو ان سے خط وکتابت کی اور حاضری کی اجازت چاہی لیکن ساتھ ہی یہ بات واضح کردی کہ میں اہلحدیث ہوں اور روحانی اعتبار سے حضرت امام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یافتہ ہوں ان کی وفات کے بعد آپ کے ہاں حاضری کا متمنی ہوں۔ مولانا تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ ضرور تشریف لائیے مگر اختلافی مسائل پر گفتگو نہ فرمائیے اس سے طبیعت میں انقباض پیدا ہوتا ہے چنانچہ یہ وہاں گئے اور نماز باقاعدہ مسلک اہلحدیث کے مطابق ادا کرتے رہے"۔ (بزم ارجمنداں ص ۳۰۲)

۲۔ مولانا محمد حسین صاحب ہزاروی مرحوم ---- یہ بھی مفتی صاحب کے ساتھ تھانہ بھون تشریف لے گئے مفتی صاحب نے مولانا تھانویؒ سے ان کا تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھتے ہیں مولانا تھانویؒ بڑے خوش ہوئے ان سے باقاعدہ ملتے رہے ایک دن مفتی صاحب سے پوچھا: کیا بات ہے نماز میں مولانا محمد حسین صاحب کی آمین والی آواز نہیں آتی؟ مفتی صاحب نے جواب دیا شاید آپ کے احترام اور مسلک کی رعایت میں آمین نہ پکارتے ہوں"۔ (بزمِ ارجمنداں ص ۳۰۳)

حضرت تھانویؒ کے افادات کا مجموعہ "ہدیہ اہلحدیث" کے مطالعہ سے دیگر کئی غیر مقلدین کے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ وہ حضرت سے مستفید ہونے کے لیے خط وکتابت کیا کرتے تھے مثلاً

دیکھئے، ہدیہ اہلحدیث صفحہ ۱۹۲۔۱۹۳۔۲۳۴۔

استاذ و شاگرد

صلاح الدین مقبول احمد غیر مقلد، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: ''مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ کا شمار آپکے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے''۔(تقدیم، اللمحات ص ۴۴)

آگے چل کر لکھتے ہیں ''مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اپنے استاذ مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وصیت ونصیحت پر ''اعلاء السنن'' تصنیف کی''۔(تقدیم، اللمحات ص ۵۲)

اخلاق حسنہ

عمر فاروق قدوسی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں ''حضرت تھانویؒ ایسے بااخلاق انسان'' (کچھ مزید کرم فرمائیاں ص ۱۴)

غیر مقلد مورخ محمد اسحاق بھٹی نقل کرتے ہیں ''مولانا محمد جمال صاحب (غیر مقلد) کی مولانا اشرف علی تھانویؒ انتہائی عزت کرتے تھے۔ان کا کھانا مولانا تھانویؒ کے گھر سے آتا تھا جبکہ باقی تمام مہمانوں کے کھانے کا انتظام لنگر میں تھا کسی شخص کو مسجد میں چارپائی بچھانے کی اجازت نہ تھی لیکن ان کے لیے خاص طور سے مسجد میں چارپائی بچھانے کا انتظام فرمایا''۔(بزم ارجمنداں ص ۳۰۳)

وفات

ارشاد الحق اثری صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں ''مولانا تھانویؒ ۱۳۶۲ھ ۱۵، ۱۶ رجب کی درمیانی شب فوت ہوئے۔تقریباً ۸۳ سال انہوں نے عمر پائی۔۔۔اور مولانا تھانوی ۱۳۰۱ھ میں تحصیل علم سے فارغ ہوئے ۱۳۱۵ھ تک درس وتدریس میں مصروف رہے''۔

(مقالات اثری جلد ۱ ص ۵۹ حاشیہ)

سلسلہ معتقدین

غیر مقلدین کے ''مفتی'' عبدالرحمٰن رحمانی صاحب لکھتے ہیں ''تھانوی طبقہ: جس میں زیادہ تر اہل علم لوگ ہیں اور ان کے زیرِ اثر زیادہ تر مدارس ہیں جیسے دارالعلوم کراچی، خیر المدارس اور جامعہ اشرفیہ وغیرہ۔ یہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سلسلہ سے چلے ہیں۔ تصنیف و تالیف، تدریس، مدارس بنانا، حنفیت کی تائید میں کتابیں لکھنا وغیرہ ان کی خاص پہچان ہے''۔ (ہم اہلِ حدیث کیوں ہوئے؟ ص ۳۷)

اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں ''مولوی اشرف علی تھانویؒ کے معتقدین میں بدعت کم (بلکہ بالکل نہیں، ناقل) ہے''۔ (تقریظ: نتائج التقلید صفحہ ق) ۴ ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ

☆☆☆☆☆

باپ بیٹے کو کس طرح حکم دے: علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ہر باپ کو چاہیے کہ جب وہ اپنے بیٹے کو کوئی حکم دے تو صریح حکم کے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے یوں کہے ''بیٹے! اگر تم فلاں کام کرلو تو اچھا ہے'' کیونکہ اگر صراحۃً حکم دیا اور مثلاً یہ کہا کہ ''ایسا کرو'' اور پھر بیٹا کسی وجہ سے نہ کر سکا تو وہ نافرمانی کے گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہوگا۔ پہلی صورت میں یہ اندیشہ نہیں۔ (تراشے ص ۳۰) ﴿محمد ثناء اللہ متعلم جامعہ فتحیہ﴾

تبلیغی جماعت کی افادیت: ''روس جیسے ممالک جن حالات سے گزر رہے ہیں خاص طور پر ان ملکوں میں میرے نزدیک تبلیغی جماعت کا کام سب سے زیادہ مفید ہے''۔ (سفر در سفر ۔ص:۱۸۰) ﴿مولانا مفتی محمد تقی عثمانی﴾ عابد شکور بھٹی بستی بلوچاں احمد پور شرقیہ۔

دو بھائیوں کی ایک رات: حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ مشہور تابعی اور راوی حدیث ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں ساری رات اپنی والدہ کی خدمت کرتا رہا اپنی والدہ کے پاؤں دباتا رہا اور میرے بھائی ابوبکر بن منکدر رات بھر نماز پڑھتے رہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میں اپنی وہ رات ان کی رات سے بدلوں۔ از ماخوذ ''بکھرے موتی'' ﴿محمد نعیم متعلم دارالعلوم فتحیہ﴾

الحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (۱)

(قسط نمبر ۲)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حصولِ علم

محمد اسحاق بھٹی صاحب، مدرسہ دار العلوم دیوبند کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

''اس مدرسے کے سب سے پہلے طالب علم کا نام محمود تھا جنہوں نے بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن کے نام سے شہرت پائی اور اپنے عہد کے اکابر علمائے ہند میں شمار ہوئے''۔ ﴿فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۵۲﴾

بھٹی صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''ان کے تلامذہ کا حلقہ اگر چہ محدود تھا لیکن اس میں ہندوستان کے بعض اعاظمِ رجال شامل تھے جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن...... لائق تذکرہ ہیں''۔ ﴿فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۳۳﴾

درس وتدریس

عبدالمجید سوہدری صاحب، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

''بعد ازاں آپ دیوبند پہنچے اور محمود الحسن مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند کے تلمذ میں رہ کر ان سے معقول ومنقول کتب درسیہ کی سند حاصل کی''۔ ﴿سیرۃ ثنائی صفحہ ۱۲۱﴾

سوہدری صاحب حاشیہ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق مزید لکھتے ہیں:۔

''مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری آپ کے اجل شاگردوں میں سے ہیں آپ ہی ہیں جنہوں نے شیخ الہند کا خطاب پایا''۔ ﴿حوالہ مذکورہ﴾

مزید باتیں آگے ''شغفِ حدیث'' اور ''منقولات ومعقولات میں دسترس'' عنوان کے تحت مذکور ہوں گی، ان شاء اللہ۔

☆ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو بولتے سمندر کی طرح ہیں مگر سوچتے تالاب کی طرح ہیں۔ (دلاور بلوچ)

علمی مقام ومنصب

ثناء اللہ امرتسری صاحب، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے، ہرفن کی تعلیم دیتے تھے''۔﴿فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۴۶﴾

اسماعیل سلفی صاحب، حضرت شیخ الہند کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''حضرت مولانا کی علمی بصیرت مسلم ہے اور ان کی جلالتِ قدر بھی معلوم ہے''﴿رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صفحہ ۶۰﴾

پروفیسر عبد اللہ بہاولپوری صاحب لکھتے ہیں:۔

''مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب کشمیری جیسے مسلم اور جلیل القدر علماء''۔﴿رسائل بہاولپوری صفحہ ۳۵۳﴾

محمد تنزیل صدیقی صاحب، سندھ میں قائم مدرسہ ''دار الرشاد'' کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

''مدرسے کے معائنے اور امتحان کے لیے رفیع المرتبت علماء کو مدعو کیا جاتا جن میں...... مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی...... وغیرھم شامل ہیں''۔﴿اصحاب علم وفضل صفحہ ۳۶﴾

غیر مقلدین کی کتاب ''ارمغانِ حنیف'' میں لکھا ہے:۔

''استاذ الہند، شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی''۔﴿صفحہ ۲۶﴾

غیر مقلدین کے پرچہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:۔

''ماضی قریب کے جید اہلِ علم جن پر برصغیر پاک وہند کو بجا طور پر فخر ہے ولی اللھی خاندان اور ان کے متوسلین...... مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود الحسن...... سب بزرگ اسی نصاب کے فیض یافتہ تھے ان حضرات کی خدمات علمی اور اسلامی سے کون انکار کرسکتا ہے؟''﴿الاعتصام، اشاعت خاص، بیادِ عطاء اللہ حنیف ص ۴۹۰﴾

احمد رشید لاہوری صاحب، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بے شمار علمائے دیو بند آپ کے خلفاء اور مستفیدین میں شامل ہیں جن میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ اربابِ علم نمایاں ہیں"۔ ﴿ماہنامہ الاحیاء لاہور: ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ صفحہ ۴۴﴾

الاربعین کتاب کی تصدیق

عبدالحق غزنوی صاحب نے ایک کتاب "الاربعین" لکھی جو رسائل اہلحدیث جلد اول میں شامل ہے اس کتاب کی تصدیقات جن علماء کرام سے حاصل کی گئیں ان میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بھی ہیں، تصدیق کے الفاظ مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ (مفتی دیوبند) نے تحریر فرمائے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے "الجواب صحیح" لکھ کر اسے پاس کیا ہے، وہ تصدیق درج ذیل ہے۔

"بندہ احقر نے اس کتاب اربعین کو بتمامہ دیکھا اور اصل تفسیر مولوی ثناء اللہ میں بھی ان مواقع کو دیکھا مطابق پایا، فی الحقیقت یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے مصنف اربعین نے جو مؤاخذات فرمائے ہیں وہ حق اور صواب ہیں ان میں سے اکثر مواقع میں تفسیر مولوی ثناء اللہ بالکل غلط اور مخالف تفسیر ائمہ سلف و خلف و مناقض مذہب اہلسنت والجماعت وموافق رائے معتزلہ وخوارج وغیرھم من الفرق الباطلۃ خذلھم اللہ تعالیٰ وازھق اباطیلھم الواھیۃ ہے، ھداہ اللہ تعالیٰ۔ اہل اسلام کو اس تفسیر کا دیکھنا اور اس کی تحریفاتِ باطلہ پر اعتقاد کرنا ممنوع اور حرام ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ دیوبندی، مفتی مدرسہ دیوبند۔ الجواب صحیح بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ دیوبندی مدرس مدرسہ دیوبند۔ العبد محمود حسن عفی عنہ مدرس اول مدرسہ دیوبند"۔ ﴿الاربعین صفحہ ۵۵﴾

مجتہدانہ شان

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:۔

"معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ، ایسا جاننا مجتہد کا خلاصہ (خاصہ) ہے"۔

آگے حضرت شیخ الہند وغیرہ علماء کے متعلق لکھتے ہیں:۔

☆جس نے خواہش ترک کردی، اس نے آسان زندگی بسر کی۔ (ندیم بن حاجی حفیظ)

''وہ تو دلیل کی معرفتِ تامہ رکھتے ہیں''۔ ﴿فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۳﴾

شغفِ حدیث

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:۔

''یہاں چونکہ مولانا محمود الحسن صاحب کا ذکر آ گیا ہے اس لیے میں ممدوح کی شخصیت کے متعلق چند فقرے عرض کر دوں تو بے جا نہ ہوگا۔ موصوف بڑے پایہ کے عالم تھے ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا میرا چشم دید واقعہ بلکہ روزانہ کے واقعات ہیں کہ آپ جس چوکی پر حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھاتے تھے منطق اور فلسفہ کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے بلکہ نیچے رکھتے تھے یہ واقعہ میں اپنی ساری مدتِ تعلیم میں دیکھتا رہا، بحق حدیث آپ کے حسن عقیدہ کا اظہار ان اشعار میں کروں تو بجا ہے، آپ گویا زبانِ حال سے فرماتے تھے:۔

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے؟ دُردانہ دُرجِ مصطفیٰ ہے
صوفی و عالم و حکیم دینی کرتے رہے اس کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا جس نے پایا یہیں سے پایا''

﴿فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۴۷﴾

امرتسری صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

''پنجاب میں حافظ عبدالمنان مرحوم میرے شیخ الحدیث تھے، دیوبند میں مولانا محمود حسن صاحبؒ اور کان پور میں مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین استاذ العلوم والفنون میرے شیخ الحدیث تھے اس لیے میں نے حدیث کے تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں''۔ ﴿بزمِ ارجمنداں صفحہ ۱۴۶ محمد اسحاق بھٹی﴾

منقولات ومعقولات پر دسترس

محمد اسحاق بھٹی صاحب، ثناء اللہ امرتسری صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:۔

''سہارن پور سے دیوبند کے لیے شدرحال فرمایا۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس پر شیخ الہند

☆ سو بیوقوفوں کا گروہ ایک عقل مند آدمی کے برابر نہیں ہوسکتا۔ (طہٰ رحمٰن)

مولانا محمود حسن فائز تھے۔ مولانا ثناء اللہ باقاعدہ ان کے حلقہ شاگردی میں شامل ہوئے اور ان سے منقولات و معقولات سے متعلق کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ کتب معقولات میں قاضی مبارک، میر زاہد، امور عامہ، صدرا، شمس بازغہ وغیرہ پڑھیں اور منقولات میں ہدایہ، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت وغیرہ کتابوں کا درس لیا۔ ریاضی میں شرح چغمینی اور بعض دیگر کتابوں کی تکمیل فرمائی۔ دورہ حدیث میں بھی شرکت کی...... دیوبند کی سند فراغ کو وہ اپنے لیے باعثِ افتخار قرار دیتے تھے"۔ ﴿بزمِ ارجمنداں صفحہ ۱۴۵﴾ ......جاری ہے

وہ میرے ساتھ ہوگا

محمد طاہر متعلم جامعہ فتحیہ

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بیٹے اگر تم ہر وقت اپنے دل کی یہ کیفیت بنا سکتے ہو کہ اس میں کسی کے بارے میں ذرا بھی کھوٹ نہ ہو تو ضرور ایسا کرو پھر آپؐ نے فرمایا اے میرے بیٹے یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا''۔ ﴿حیاۃ الصحابہؓ﴾

اقوال زریں

ابوسفیان بھٹہ

(۱) کامل مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی بھلائی کے لیے شب و روز اپنے آپ کو وقف کر دے۔

(۲) ہمیشہ دوسروں کے کام آ، خدا بھی تیرے کام آسکتا ہے۔

(۳) خدمتِ خلق دوسری نفلی عبادت سے افضل ترین عبادت ہے۔

(۴) تسبیح وتہلیل صرف عبادت ہے، جبکہ خدمتِ خلق مخلوق سے ہمدردی بھی ہے۔

(۵) جس نے مخلوق کا شکر ادا کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا کیا۔

(۶) دوسروں کے لیے وہی چاہو جو تم خود اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

(۷) جو شخص دوسروں کے غم سے بے غم ہے وہ کامل آدمی کہلانے کا مستحق نہیں۔

(۸) جس نے اپنے آپ کو پسند کیا وہ خطرے کی راہ پر چل پڑا۔

☆ زبان کی غلطی قدم کی غلطی سے زیادہ خطرناک ہے۔ (عبدالباسط یار)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین (قسط نمبر ۳)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (۲)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

ملفوظِ شیخ الہند رحمہ اللہ

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:۔

''مدرسہ دیوبند میں ہدایہ کی کتاب الشہادۃ کا سبق ہو رہا تھا۔ جس میں یہ ذکر آیا: **لا تقبل شهادة من يظهر سب السلف لظهور فسقه**۔ یعنی جو شخص سلف صالحین کو گالیاں دے اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ اس کا فسق خود اس سے ظاہر ہے: حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے میں نے سوال کیا کہ جو لوگ مولانا (شاہ) اسماعیلؒ (شہید) کو بُرا کہتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ان کی شہادت (گواہی) مقبول نہیں''۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۱۰۲)

تصانیف

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں:۔

''مولوی فضل حق رام پوری نے ایک رسالہ ''امتناع کذب باری'' لکھا شیخ الہند مولانا محمود الحسن نے ''الجهد المقل فی قدرة المعز والمذل'' لکھ کر ان کی علمی بے بضاعتی اور علمی بے مائیگی کو واضح کیا''(تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۲۹۳)

اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے ''احسن القریٰ'' کافی گرم کتاب لکھی ..... یہ مولانا کا جوانی کا شاہکار ہے''۔ (فتاوی علمائے حدیث جلد ۴ صفحہ ۴۶)

حسن القری، دیہات میں جمعہ کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔

داؤد ارشد صاحب لکھتے ہیں:

گفتگو کے دوران ایسے ہلکے پھلکے جملے کہیں جن سے حاضرین راحت و اطمینان محسوس کریں۔ (محمد ساجد، لالہ زار کالونی)

''مولوی محمود الحسن خان حنفی دیوبندی، دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے حنفی (بلکہ غیر مقلدین بھی، جیسا کہ ہمارے اسی مضمون میں متعدد موضوعات کے تحت مذکور ہے، ناقل) انہیں شیخ الہند کے نام سے یاد کرتے ہیں، انہوں نے معروف سلفی عالم حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم، مولوی محمد احسن امروہی (جو نواب صدیق حسن خان مرحوم کا ملازم تھا اور بعد میں مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا) نے ''مصباح الادلہ'' کے نام سے''۔ (تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۵)

بین القوسین عبارت بھی داؤ دارشد صاحب ہی کی ہے۔

عمر فاروق قدوسی صاحب، ایک اشتہار کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''مولانا محمد حسین بٹالوی کے اس مشہور و معروف اشتہار کی طرف اشارہ ہے جس کے جواب میں مولانا محمود حسن نے ''ایضاح الادلہ'' تحریر فرمائی''۔ (کچھ مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۰۵)

تنبیہ: ایضاح الادلہ، بٹالوی اشتہار کا جواب نہیں، مصباح الادلہ کا جواب ہے۔ اشتہار کا جواب ''ادلہ کاملہ'' ہے۔

ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایضاح الادلہ پہلی بار ۱۲۹۹ھ میں میرٹھ سے طبع ہوئی پھر دوسری بار ۱۳۳۰ھ میں مولانا سید اصغر حسین صاحب کی تصحیح کے ساتھ مطبع قاسمی دیوبند سے طبع ہوئی..... اس کے بعد یہی کتاب کتب خانہ فخریہ امروہی دروازہ مراد آباد سے فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین کے حواشی کے ساتھ طبع ہوئی مگر اس پر سن طباعت درج نہیں''۔ (تنقیح الکلام صفحہ ۲۳۶)

ایضاح الادلہ میں سہوِ قلم

ایضاح الادلہ میں سہوِ قلم کے نتیجہ میں قرآنی آیت: فان تنازعتم فی شیء الخ: غلط درج ہو گئی، اسے مخالفین نے تحریف کہہ کر اچھالا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریف نہیں سہوِ قلم ہے۔

عمر فاروق قدوسی صاحب لکھتے ہیں:۔

''غلطی ..... شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن سے ہوئی تھی اور انہوں نے (سہواً، ناقل) ایک آیت میں

ترمیم واضافہ کر کے اسے قرآن کی آیت قرار دیا تھا۔ مولانا موصوف سے سہواً ایسا ہو گیا''۔ (کچھ مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۸۵)

ارشاد الحق اثری صاحب لکھتے ہیں:۔

''سیدھے ہاتھوں یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ یہ حضرت شیخ الہند سے چوک ہوئی، اپنے مدمقابل کے جواب میں جو آیت انہوں نے لکھی وہ قرآن پاک میں کہیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھلا کرے۔ سعید احمد پالن پوری صاحب کا کہ انہوں نے بالآخر تسہیل الادلہ کاملہ کے پیش لفظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: یہ سبقتِ قلم ہے..... (آگے اثری صاحب کا کلام ہے) مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ فی الواقع یہ خطا مولانا محمود الحسن سے ہوئی اور یہ سبقتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ ہو ''الردود'' مئولفہ بکر بن عبداللہ ابوزید کا حاشیہ: ص ۲۴۲''۔ (تنقیح الکلام صفحہ ۲۳۶)

جذبہ تحریکِ آزادی کی پاداش میں اسیری

صلاح الدین مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

''مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۲۶۸۔۱۳۳۹ھ): یہ ''دار العلوم دیوبند'' کے پہلے طالب علم کی حیثیت سے معروف ہوئے، جو بعد میں وہاں کے مفتی اور صدر مدرس کے اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے۔ انہیں دنیائے دیوبندیت (اور آلِ غیر مقلدیت، ناقل) میں ''شیخ الہند'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مُلک کی آزادی میں دیگر علمائے دیوبند کے مقابلہ میں ان کا کردار زیادہ نمایاں رہا ہے۔'' (تقدیم، اللمحات صفحہ ۴۳)

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں:۔

''مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ایک مشن کے تحت جب حجاز مقدس پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور جزیرہ مالٹا میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے ساتھ جبر و تشدد اور ظلم و ستم روا رکھا گیا''۔ (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۲۹۵)

مالٹا سے رہائی

ثناء اللہ امرتسری صاحب، جمعیت علمائے ہند کی کارکردگی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

راحت کثرت آمدنی میں نہیں، قلت مصارف میں ہے۔ (بنتِ نیاز احمد، آمنہ للبنات، احمد پور شرقیہ)

''جمعیت کے اسی اجلاس میں پہلا ریزولیشن مولانا محمود الحسن صاحب مرحوم نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق پاس ہوا، جس کی تفصیل یہ ہے: حضرت ممدوح اگرچہ ان دنوں جزیرۂ مالٹا میں اسیر فرنگ تھے تاہم اپنے شاگردوں کے پاس تشریف لاکر فرماتے تھے کہ میرے بچو! میری رہائی کے لیے کوشش کرو۔ کیسے تشریف لاتے تھے؟ جیسے عرب کا شاعر جو جیل میں محبوس تھا۔ اسی حالت میں اپنی محبوبہ کا وہاں پہنچ جانا بیان کرتا ہے۔

عجبت لمسراها وانی تخلصت لدی و باب السجن دونی مغلق

شاعر کہتا ہے کہ میں حیران ہوں باوجودیکہ میں جیل میں محبوس ہوں اور جیل کا دروازہ بھی بند ہے۔ تاہم میری محبوبہ میرے سامنے پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت موصوف تشریف لاتے ہیں اور اپنے خادموں کو خوابِ غفلت سے بیدار فرماتے ہیں۔ اسی بیداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اصحابِ ثلاثہ میں سب سے پہلے یہ تجویز پاس ہوئی کہ حضرت ممدوح کی رہائی کے لیے ویسرائے کو تار کیا جائے۔ تار کے خرچ کا اندازہ سے تین روپے کیا گیا۔ یہاں میں پہنچ کر بڑی مسرت کے ساتھ یہ بات ظاہر کرتا ہوں کیونکہ میں اس امر کو اپنے لیے باعثِ عزت اور موجب نجات جانتا ہوں کہ تار کا سارا خرچ میں نے ادا کیا۔ تقبل الله سعينا

..... ہاں میں اوپر ذکر کر آیا ہوں کہ جمعیۃ العلماء کا پہلا ریزولیشن مولانا موصوف کی رہائی کے متعلق پاس کیا گیا۔ خدام نے تار بھیجنے ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ دُعا کے ذریعہ بھی خدا سے استعانت کرتے رہے۔ گویا مرزا غالب کا یہ شعر وردِ زبان تھا۔

میرے دل میں ہے غالب شوقِ وصل و شکوہ ہجراں
خدا وہ دن کرے، جو اُس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

بفضلہٖ تعالیٰ نتیجہ یہ ہوا کہ جمعیۃ العلماء کے جلسہ دہلی کے صدر آپ ہی منتخب ہوئے گو علالت کی وجہ سے جلسہ میں شریک نہ ہو سکے، تاہم بحکم۔

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

گویا آپ ہی صدارت فرما رہے تھے۔ اس کے بعد جمعیۃ العلماء بفحوائے ''انبتها اللّٰه نباتا حسناً'' ایسی

بہترین تعریف وہ ہے جو نیک لوگوں کی زبان سے نکلے۔ (محمد طاہر، متوسط سوم فتحیہ)

بڑھی کہ اس کا سایہ سارے ملک میں پھیل گیا پشاور سے کلکتہ تک اس کے جلسے ہوتے رہے۔ بڑے بڑے سیاسی امور میں اس نے رہنمائی کی''۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۴۶۔۴۷)

محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی حضرت کی رہائی کا واقعہ امرتسری صاحب کی زبانی نقل کیا ہے۔ (بزمِ ارجمنداں صفحہ ۱۷۳۔۱۷۴)..... جاری ہے

روح کی روح

محمد ابوبکر متعلم دار العلوم الشریعہ

دنیا میں جب کوئی فوت ہو جاتا ہے تو اس کے گھر والے اور محلے والے پریشان ہو جاتے ہیں اور انہیں کوئی چیز بھی اچھی نہیں لگتی۔ جسم تو سامنے پڑا ہوتا ہے، لیکن اس میں روح نہیں ہوتی۔ اس لیے سب پریشان ہوتے ہیں۔ اس روح کے نکلنے سے جسم لاش بن جاتا ہے۔ اس روح کی بھی ایک روح ہے اور وہ ہے ''اسلام''۔ لوگوں کی روح میں سے اصل روح یعنی اسلام نکل رہا ہے اور وہ لاشیں بن چکے ہیں۔ اس لئے دنیا پریشان ہے۔ (از مجموعہ بیانات)

فطرت نہیں بدلتی

محمد آصف، مدینہ مسجد، احمد پور شرقیہ

اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کا یقین کرلو اور جب یہ سنو کہ کسی شخص کی فطرت بدل گئی تو اس کا یقین مت کرو۔ (ماخوذ: از ماہنامہ الامداد)

جنت کی امید رکھنا

بنت مولانا قاری اللہ نواز مدظلہ

روایت میں آتا ہے: انما یدخل الجنہ من یرجوھا: ترجمہ: جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو اس کی امید رکھے گا۔

فائدہ: لہٰذا ہم سب کو جنت کا اُمیدوار ہونا چاہیے لیکن صرف اُمید لگائے رکھنا کافی نہیں، جنت کے حصول کے لیے نیک اعمال اختیار اور بُرے کام چھوڑنے ہوں گے، اللہ توفیق دیں۔

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین (قسط:۴)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (۱)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

عدیم النظیر شخصیت: محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:۔

"میانہ قد، متوسط جسم، نورانی چہرہ، لمبی داڑھی، روشن آنکھیں، ذہانت کے آئینہ دار، چلیں تو عالمانہ وقار کے حامل، بولیں تو موتی برسائیں، صاف ستھرے مگر سادہ لباس میں ملبوس، ہونٹوں پر ہر آن مسکراہٹ چھائی ہوئی، یبوست سے دُور، عبوست سے نفور، تعصب سے متنفر، گفتگو میں نرم، عمل میں گرم، کردار میں پاکیزہ، عمدہ خصائل، خوش مزاج، اخلاق میں قرآن کے قالب میں ڈھلے ہوئے، مہمان نواز، معاصرین کے احترام میں بے مثال، اہل علم کی تکریم میں بے مثال، چھوٹوں کے مشفق، متبع سنت، قاطع بدعت، مبلغ توحید، تحریکِ آزادی برصغیر کے بطل جلیل، تفسیرِ قرآن میں یکتا، عمل بالحدیث میں اپنی مثال آپ، فقہ میں ماہر کامل، تصوف میں عدیم النظیر، طریقت میں منفرد، وعظ و تبلیغ دین میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام، ایثار پیشہ، نصح و خیر خواہی کے پیکر، اعتدال و توازن کا مرقع، ذکر و فکر کا دل نواز مجموعہ، ہر پہلو سے عاملِ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم..... یہ تھے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ....." (علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف، صفحہ ۷۰)

علمی مقام: محمد تنزیل صدیقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"مدرسہ دارالرشاد سے جو فضلاء فارغ التحصیل ہو کر مسند علم و فضیلت کے وارث ہوئے ان میں مفسرِ قرآن مولانا احمد علی لاہوری.... وغیرھم شامل ہیں۔" (اصحاب علم و فضل، صفحہ ۳۷)

داؤد راز صاحب لکھتے ہیں:۔

"پاکستان کے دیوبندی علماء میں سے ہمارے نزدیک مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا مفتی محمد حسین، مولانا احتشام الحق، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا خیر محمد، مولانا احمد علی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید عطاء اللہ بخاری..... اصحابِ علم و فتویٰ ہیں"۔ (تحریک جماعتِ اسلامی اور مسلک اہلحدیث، صفحہ: ۸۵) محمد اسحاق بھٹی صاحب، حضرت لاہوری رحمہ اللہ کو "پیکرِ خیر اور مرقع علم و فضل" لکھا ہے۔ (علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف، صفحہ: ۷۰)

بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"وہ صحیح معنوں میں عالم باعمل تھے۔ ان کی بھرپور علمی اور عملی زندگی کے کسی گوشے میں بار بار نظر دوڑانے کے باوجود کوئی خلا دکھائی نہیں دیتا۔ کتنے بھی دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھئے کوئی خامی نظر نہیں آئے گی۔ فارجع البصر ھل تری من

سورہ نمل قرآن کی وہ سورت ہے جس کے شروع میں اور درمیان میں بھی بسم اللہ ہے۔ (محمد عرفان کھوکھر)

فطور. ثم ارجع البصر کر تین ینقلب الیک البصر خاسئا و ھو حسیر‘‘۔(علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف، صفحہ:۱۲/۷)

مقام ولایت: محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:۔

’’ایک مرتبہ حضرت مولانا احمد علی (لاہوری) مرحوم نے مجلسِ ذکر میں کشف قبور کے متعلق کچھ تجربات و مشاہدات بیان فرمائے اور کہا کہ قبر میں میت جن حالات سے دوچار ہو، اس کا انہیں مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ میں نے ’’الاعتصام‘‘ میں اس پر ایک شذرہ لکھا اور نہایت ادب سے شرعی نقطۂ نظر کی روشنی میں چند سطور میں مولانا کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا۔ اس سے تیسرے یا چوتھے روز بعد مولانا (داؤد غزنوی صاحب) نے فرمایا: ’’ایڈیٹر صاحب! میں نے مولانا احمد علی صاحب کے کشفِ قبور کے بارے میں آپ کا ادارتی نوٹ پڑھا۔ آپ یہ فرمائیے اگر مولانا احمد علی صاحب اتنے نیک ہو جائیں کہ انہیں کشف قبور ہونے لگے تو آپ کو کیا اعتراض ہے؟‘‘

ان چند الفاظ سے میرا مسئلہ حل ہو چکا تھا اور میرے پاس سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ بلا تامل عرض کر دوں۔ کوئی اعتراض نہیں ہے‘‘۔(حضرت مولانا داؤد غزنوی، صفحہ:۱۳۸۔ واللفظ لہ۔ علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف، صفحہ:۷۱)

عرش کا سایہ.............بنتِ عبدالمجید، رشیدیہ للبنات، احمد پور شرقیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سات (قسم کے) آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا جبکہ اس دن اس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔(۱) عادل بادشاہ (۲) وہ نوجوان جو جوانی میں عبادت کرے۔(۳) وہ شخص جس کا دل مسجد سے اٹکا ہوا ہو۔(۴) وہ اشخاص جو خالصۃً اللہ کی رضا کی خاطر جمع ہوں اور اسی پر ان کی جدائی۔(۵) وہ شخص جسے حسب ونسب اور حسن وجمال والی عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔(۶) وہ شخص جو اس طرح چھپ کر صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ سے جو کچھ دے بائیں کو خبر نہ ہو۔(۷) جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔(عام کتب حدیث)

حُسن کا شکریہ.............شفیع محمد، درجہ ثالثہ، فتحیہ

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو حُسن دیا ہے اس کا شکریہ ہے کہ اپنے حُسن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے بلکہ جس نے حسن دیا ہے اسی پر حسن کو فدا کرے۔

قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک ’’محمد‘‘ چار جگہ آیا ہے۔(محمد کاشف راجپوت)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین: قسط ۵

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

اخلاق: محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا (احمد علی لاہوری) رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے متعدد مواقع میسر آئے مولانا سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ کی معیت میں بھی ان کے ہاں گیا اور تنہا بھی کئی مرتبہ حاضر ہوا میں جب جاتا دعا کی درخواست کرتا وہ نہایت خوش گوار طریقے سے خیر خیریت پوچھتے اور دعا دیتے۔اس ضمن میں چند واقعات جنہیں میرے ذاتی مشاہدات وتاثرات سے تعبیر کرنا چاہیے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

(علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف صفحہ ۷۰۹)

☆........ محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''ایک دن مولانا غزنوی رحمہ اللہ کا خط لے کر حضرت (مولانا احمد علی لاہوری) کی خدمت میں حاضر ہوا مسجد میں گیا تو پتہ چلا کہ گھر تشریف لے گئے ہیں۔مسجد سے ایک آدمی مجھے گھر لے گیا حضرت رحمہ اللہ تشریف فرما تھے باہر آئے اور حسب معمول تپاک سے ملے، کمرے میں بٹھایا اور حاضری کی وجہ دریافت فرمائی۔ بعدازاں اصرار کر کے شربت کا گلاس عنایت فرمایا اور میں نے تبرک سمجھ کر پیا۔رخصت کرنے کے لئے مسجد تک میرے ساتھ تشریف لائے میں احتراماً ذرا پیچھے ہٹتا تھا تو خود میرے برابر ہو جاتے۔میں نے واپس آکر سارا واقعہ مولانا غزنوی رحمہ اللہ سے عرض کیا تو اس درجہ خوش ہوئے کہ فرطِ مسرت اور جوش محبت سے آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور حضرت رحمہ اللہ کی درازی عمر کے لئے دعا فرمائی''

(علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف صفحہ ۷۰۹)

☆........ بھٹی صاحب ایک اجلاس کی کاروائی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (لاہوری) مرحوم سب شرکائے میٹنگ سے ملے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور کاروائی میں پورا حصہ لیا، کاروائی میں نے لکھی میٹنگ ختم ہوئی اور حاضرین واپس چلے گئے۔کاروائی کو آخری شکل دے کر دستخط کرانے کی غرض سے میں دوبارہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں مسجد شیرانوالہ میں حاضر ہوا۔بے حد شفقت سے پیش آئے۔کاروائی پڑھی اور دستخط فرمائے میں اجازت لے کر چلنے لگا تو کھڑے ہو گئے میں نے ہر چند عرض کیا کہ تشریف رکھیے میں اس ذرہ نوازی پر بہت شکر گزار ہوں مگر نہیں مانے مسجد کے دروازے تک میرے ساتھ آئے اور فرمایا: تم کئی وجہ سے میرے لیے باعثِ تکریم ہو ایک تو مہمان ہو، دوسرے کارِ خیر سے آئے ہو۔۔۔(علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۷۱۰)

☆........ قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں:

'' مولانا احمد علی مرحوم بڑے مرنجاں مرنج وضع دار اور روادار بزرگ تھے''

(تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۳۴۴)

درس قرآن: محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب نے فرمایا:

''ہمیں ایک لحاظ سے ان (مولانا احمد علی لاہوری) کا عقیدت مند ہوں کہ انہوں نے لاہور میں درسِ قرآن کا اجراء کیا تھا''(الاعتصام اشاعتِ خاص: بیاد بھوجیانی صفحہ ۱۰۳۳)

☆........ محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا (احمد علی لاہوری) مرحوم سے پہلے بھی اگرچہ لاہور کی چینیانوالی مسجد میں حضرت مولانا عبدالواحد غزنوی رحمہ اللہ کا سلسلہ جاری تھا تاہم مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ پہلے عالمِ دین ہیں۔جنہوں نے اپنے درس میں تسلسل پیدا کیا اور اس کو باقاعدگی کے سانچے میں ڈھالا وہ بغیر کسی شدید مجبوری کے اس میں ہرگز ناغہ نہ کرتے۔ان کا نہج تفہیم اور طریق کلام کچھ اس قسم کا تھا کہ ان کے درس قرآن مجید سے عوام وخواص یکساں اثر پذیر ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے اور ان کے اصحاب عقیدت مختلف طبقات کو محیط رہے''

(علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۷۱۱)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۶

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (۳)

توحید وسنت

محمد اسحاق بھٹی صاحب حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

'' متبع سنت، قاطع بدعت، مبلغ توحید.... حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ'' (علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۱۰۷)

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا احمد علی لاہوری مرحوم نے شیرانوالے دروازے کی مسجد میں جب ڈیرے ڈالے، حنفی ہونے کے باوجود توحید کی بڑی اشاعت کی اور بدعات کا رد فرمایا...... اہلیان لاہور کی بہت بڑی اکثریت قبر پرستی کی حامی، عرسوں کی دلدادہ اور بدعات کی علمبردار تھی۔ لاہوریوں میں توحید وسنت کی تبلیغ و اشاعت جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی... ایسے تیرہ وتار ماحول میں سید عبدالواحد غزنوی کے درسِ قرآن، درسِ حدیث، خطبات جمعہ اور مولانا احمد علی لاہوری کی توحید وسنت کی تبلیغ کی مساعی نہ صرف قابل قدر تھیں بلکہ دونوں بزرگوں کے اخلاص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو جادہ مستقیم پر گامزن کیا اور رشد وہدایت کی راہ پر ڈالا''

(تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۳۴۳)

رزق میں احتیاط

حکیم سید محمد عبداللہ گیلانی (خطیب جامع مسجد قدس قذافی پارک مرید کے) فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد صدیق کوٹ پیناں (نارنگ منڈی) کے رہنے والے تھے اور یہ مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے ان کے ساتھ وظائف پر بات ہوئی تو فرمانے لگے میں ایک دفعہ مولانا لاہوری رحمہ اللہ کے لیے چاول بطور تحفہ لے کر خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے صدیق! یہ تو نے خود کاشت کیے تھے میں نے کہا نہیں، میرے مقتدیوں نے میری خدمت کی اور میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ کہنے لگے یہ تکلف نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں بات سمجھ گیا اگلے سال میں نے اپنے مقتدیوں سے ایک بیگھہ زمین لے کر خود کاشت کی اور دھان کی فصل کاٹ کر چاول بنائے اور دوبارہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے دوبارہ پوچھا محمد صدیق یہ چاول تو نے خود کاشت کیے تھے تو میں نے عرض کیا جی حضرت میں نے خود کاشت کیے اس پر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ کام درست ہے لہذا میرا خیال یہ ہے کہ ہر عالم دین کو اعمال بھی کرنے چاہئیں اور رزق حلال کا خاص خیال رکھنا چاہیے کیونکہ اسی میں برکتیں آتی ہیں''

(علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۱۱۵)

تصانیف

محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت الاستاذ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ ...... کسی کام لاہور تشریف لے گئے اور واپسی پر ۳۰×۲۰/۱۶ سائز کی ایک موٹی سی کتاب عنایت کی کھول کر دیکھی تو چند چھوٹے چھوٹے دینی اور مذہبی رسائل پر مشتمل تھی جو حضرت مولانا احمد علی مرحوم کے تصنیف کردہ تھے اور ایک ہی جلد میں مجلّد تھے۔ ان کے اصلی نام حنفیت، میلاد مروجہ کی شرعی حیثیت وغیرہ تھے۔ انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور کی طرف سے شائع کیے گئے تھے زبان سادہ اور عام فہم تھی ان کے مضامین کی تاثیر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ ہر بات دل کی تہوں میں اترتی جاتی تھی۔ میں نے وہ رسالے بڑے شوق اور توجہ سے پڑھے۔ بہت سے لوگوں کو پڑھنے

کر لیے دیئے۔ متعدد افراد نے انجمن خدام الدین سے منگوائے اور ان کا مطالعہ کیا..... ان رسالوں کا تعارف کراتے ہوئے مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف رحمہ اللہ ان کے مصنف شہیر مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کی بڑی تعریف کرتے اور ان کی علمی اور تبلیغی سرگرمیوں کی وضاحت فرماتے"

(علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف صفحہ ۷۰)

مجاہدین کی امداد

محمد اسحاق بھٹی صاحب نے انگریز کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کی امداد کے سلسلہ میں فرمایا:

"مولانا غلام رسول مہر نے لاہور اور بعض دیگر علاقوں کے اعانتی مراکز کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: بعض ایسی ہستیاں بھی اس کام میں سرگرمی سے شریک رہیں، جن کے متعلق کسی کو خیال بھی نہ ہوسکتا تھا کہ انہیں ایسے مشاغل سے کوئی دلچسپی ہوسکتی ہے مثلاً..... مولانا احمد علی ناظم انجمن خدام الدین" (صوفی محمد عبداللہ صفحہ ۱۱۴)

عقیدت اور احترام

نذیر احمد سبحانی صاحب (خطیب جامع مسجد زینت اہلحدیث لاہور) فرماتے ہیں:

"مولانا حکیم عبدالمجید سوہدری رحمہ اللہ کی اہلیہ کا انتقال ہوگیا کچھ دن بعد انہوں نے جلسہ میں شرکت کے لیے قصور جانا تھا وہ سوہدرہ سے قصور جانے کے لیے جب لاہور پہنچے تو سوچا یہاں ایک بڑی نیک ہستی حضرت (مولانا احمد علی) لاہوری رہتے ہیں کیوں نہ ان سے جا کر اہلیہ کی مغفرت کی دعا کرائیں۔ ان کے ساتھ ایک دوست بھی تھے دونوں حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے درخواست کی حضرت لاہوری رحمہ اللہ بہت خوشی سے انہیں ملے اور انہیں دعائیں دیں پھر وہ قصور چلے گئے۔ رات کو جلسہ تھا اگلے دن واپسی پر سوچا کہ کل حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے ملاقات کرکے دل کو بہت سکون ملا ہے کیوں نہ آج بھی ان کی زیارت کرتے جائیں لہٰذا دونوں دوست پھر حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے پرجوش استقبال فرمایا اور پوچھا کہ رات والا جلسہ کیسا رہا....."

(مقدمہ علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف صفحہ ۸۱)

سبحانی صاحب مزید فرماتے ہیں:

"سید (محمد داؤد غزنوی) صاحب رحمہ اللہ اپنے خدام کو سمجھا کر لے جاتے کہ دیکھو ہم حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے پاس جارہے ہیں وہ نماز میں آمین آہستہ آواز میں کہتے ہیں آپ بھی آہستہ آواز میں ہی آمین کہنا"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۸۰)

حکیم عبدالوحید سلیمانی بن عبداللہ روڑی والے فرماتے ہیں:

"مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ کو ملنے کے لیے گئے اس وقت لاہور میں تانگے چلتے تھے مولانا داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیغام بھیجا کہ حضرت میں آرہا ہوں اور مغرب کی نماز آپ کے ہاں پڑھوں گا (چنانچہ وہاں پہنچے، نماز مغرب کی جماعت شریک ہوئے، ناقل) تو پیچھے سے بلند آواز میں آمین کہا گیا، بعد میں مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا کہ میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ احناف کی مسجد ہے اونچی آواز میں آمین نہیں کہنا۔ ساتھ آنے والوں نے کہا حضرت ہم نے اونچی آواز میں آمین نہیں کہی"

(مقدمہ علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف صفحہ ۱۵۵)

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب نے حضرت لاہوری کے متعلق فرمایا:

"ان کا عقیدت مند ہوں" (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۱۰۴۳)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۲

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (۴)

صحبت، استفادہ اور روابط:

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لکھتے ہیں۔
" آج جب یہ خیال آتا ہے کہ اسی لاہور میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا احمد علی صاحب اور مولانا داود غزنوی علیہم الرحمہ جیسی شخصیتیں موجود تھیں جن کی پرتاثیر صحبت سے استفادہ کیا جاسکتا تھا لیکن نہ کیا گیا تو شدید محرومی کا احساس ہوتا ہے اور اس میں مزید تلخی اس مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے کہ غالب کے اکثر قول کے مطابق کہ: ع" دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویران ہو گئیں!" آج کا لاہور ان تینوں بزرگوں سے محروم ہو جانے کی بناء پر واقعۃً ویران نظر آتا ہے اور اب اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ صورت کب پیدا ہو کہ۔ ع" کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد!" (حضرت مولانا داود غزنوی ص ۸۵)
اس عبارت کو مولانا ابو بکر غزنوی صاحب نے چونکہ درست سمجھا ہے اس لیے ہم نے اسے نقل کر دیا ہے۔
جناب خالد بزمی ایم اے صاحب، مولانا داود غزنوی کے متعلق لکھتے ہیں۔" دیگر مسالک حقہ کے جید علماء مثلاً مفتی محمد حسنؒ، مولانا احمد علیؒ اور سید ابو الحسن ندوی وغیرہ سے مولانا کے مخلصانہ اور گہرے روابط تھے... مولانا داوٗد غزنوی اور مولانا احمد علی مرحوم کے درمیان جو محبت آمیز روابط تھے ان سے ان دونوں بزرگوں کے ملنے والے باخبر ہیں" (حضرت مولانا داود غزنوی ص ۱۸۱)
جناب عبد الرشید عراقی صاحب لکھتے ہیں۔"مولانا داود غزنوی ان علمائے کرام جو مقام طریقت وسلوک سے آشنا تھے ان کی صحبت میں بیٹھنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے بالخصوص مولانا عبد القادر رائے پوری، مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، مولانا احمد علی لاہوری ... رحمہم اللہ اجمعین"
(غزنوی خاندان ص ۱۱۳) مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
"اہلحدیث طلباء مولانا احمد علی صاحب سے... استفادہ کرتے تھے" (قافلہ حدیث ص ۱۰۰)

حضرت لاہوری سے بیعت:

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔"اس گاؤں میں کمبوہ برادری کا ایک خاندان تھا جن کے بڑے کسی دور میں اہلحدیث تھے مگر حالات اور ماحول کی وجہ سے یہ بھی حنفی ہو گئے تھے اور انہوں نے مولانا احمد علی لاہوری کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی" (دبستانِ حدیث ص ۶۴۹)
بھٹی صاحب حضرت لاہوری کے متعلق لکھتے ہیں۔" ان کے انہی اوصاف کی وجہ سے ان کے ارادت مندوں میں احناف کے علاوہ اہلحدیث بھی کثیر تعداد میں شامل ہوئے۔ (علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف ص ۱۲۷)

اولاد:

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
"سترہ اٹھارہ کے ایک جوان رعنا، جو سفید کھدر کا کرتہ پہنے ہوئے اور کھدر ہی کی سفید چادر اوڑھے ہوئے تھے... معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب

کے صاحبزادہ گرامی قدر ہیں اور ان کا نام عبید اللہ انور ہے اس زمانے میں اگرچہ وہ مولانا عبید اللہ انور نہ تھے تاہم "صاحب زادہ" تھے اور ملک کے بہت بڑے عالم دین کے بیٹے تھے اس لحاظ سے سب طلباء ان کی تکریم کرتے تھے ۔ بڑے آدمی عام طور پر بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں اور اس میں وہ حق بجانب بھی ہوتے ہیں آخر کس کس کی کون کون سے بات یاد رکھیں۔

یہ بندہ عاجز غالباً سب سے زیادہ ان کو محترم گردانتا تھا کیونکہ عمر کے ابتدائی دور میں ان کے والد گرامی کے مختلف مذہبی رسائل سے استفادہ کر چکا تھا۔ مولانا عبید اللہ انور خاموش طبع اور کم آمیز تھے۔ پھر عالی مرتبت باپ کی طرح کسی قدر تصوف و طریقت کے جوہر اس عمر میں بھی ان میں نمایاں تھے... میں جب ان کو دیکھتا دل میں خیال آتا، کاش کبھی ان کے والد گرامی کی زیارت کا موقع ملے"

(علمائے اہلحدیث کا ذوقِ تصوف ص ۲۰۸)

تقریر کا اقتباس

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں

"اس بندہ عاجز کو حضرت (مولانا احمد علی) مرحوم کی زیارت کا شرف پہلی مرتبہ ۱۹۴۸ کے آخر میں حاصل ہوا جب کہ مرکزی جمعیۃ اہلحدیث مغربی پاکستان کے ناظم دفتر کی حیثیت سے لاہور آیا۔ نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مولانا مرحوم کی مسجد میں گیا وہ تقریر کر رہے تھے ان کی تقریر کے بعض جملے اب تک کانوں میں گونج رہے ہیں انہوں نے فرمایا تھا: پاکستان اسلام کے لیے بنایا گیا ہے حکمرانو! اسے اسلام کے حوالے کر دو ۔ اس ملک سے غیر اسلامی طور طریق مٹا دو۔ اس میں فقط اسلام ہی کی ترویج کرو۔ اگر اسلام نہیں لاؤ گے تو میں اللہ کے حضور تمہارے خلاف گواہ بنوں گا اور اس کے دربار میں عرض کروں گا کہ انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ جو لوگ لٹ پٹ کر یہاں آئے ہیں وہ قیامت کے روز تمہارا دامن پکڑیں گے اور میدان حشر میں تمہیں کھینچیں گے وہ بڑا نازک وقت ہو گا تم اللہ کو کیا جواب دو گے؟"

مولانا رحمہ اللہ ایک خاص جذبے اور روانی سے یہ باتیں کہہ رہے تھے ساتھ ہی لوگوں کی تائید بھی حاصل کر رہے تھے ۔ انہوں نے سر سے عمامہ اتار رکھا تھا اور عجیب و غریب اسلوب سے جو بڑا ہی مؤثر اسلوب تھا ۔ تقریر ارشاد فرما رہے تھے نماز جمعہ کے بعد ہجوم میں گھس کر میں نے حضرت رحمہ اللہ کو سلام کیا اور واپس آ گیا۔ یہ ان کی زیارت کا پہلا موقع تھا اور تقریر بھی پہلی دفعہ سننے کا اتفاق ہوا" (علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف ص ۲۰۸)

اولیات

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"لاہور کی علمی اور تبلیغی تاریخ میں حضرت مولانا احمد علی مرحوم کی خاص نوعیت کی کچھ اولیات اور خصوصیات ہیں جن کی حیثیت صدقہ جاریہ کی ہے اس لیے اس عروس البلاد کی روحانی اور عملی فضاؤں میں اس کے اثرات ہمیشہ قائم رہیں گے اور حضرت مرحوم اس کے اجر و ثواب سے متمتع ہوتے رہیں گے، ان شاء اللہ!....

۱۔ حضرت مولانا احمد علی مرحوم طائفہ علماء میں اولین بزرگ ہیں جن سے بی اے اور ایم اے کرنے کے بعد متعدد حضرات نے باقاعدہ دینی علوم کی تحصیل کی اور

اسلام کے مبلغین کی حیثیت سے شہرت پائی۔ پھر پاک و ہند کے اونچے تعلیمی اداروں میں بلند مناصب پر فائز ہوئے مثلاً علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے اور خواجہ عبدالحی فاروقی مرحوم نے جامعہ ملیہ دہلی میں استاذِ تفسیر کا منصب سنبھالا۔

۲۔ حضرت مولانا مرحوم پاکیزہ فکر اور صاف ذہن کے مالک تھے۔

۳۔ مرحوم انتہائی جرات مند عالم دین تھے وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے شہر میں نہایت دلیری کے ساتھ برملا تحریری اور تقریری صورت میں توحید کی تبلیغ کی اور زبردست مخالفت کے باوجود موحدین کی ایک عظیم جماعت پیدا کی۔ جن میں جدید تعلیم یافتہ اصحاب بھی شامل تھے اور قدیم اہل علم حضرات بھی!

۴۔ انہوں نے اپنے تلامذہ اور ارباب عقیدت کو علمی درس بھی دیا اور عملی بھی! یعنی علم و عمل دونوں طریقوں سے ان کی تربیت کا اہتمام کیا۔

۵۔ ان کی یہ خاصیت تھی کہ ہر اس سیاسی میدان میں بھی آگے آگے نظر آتے تھے... اگر اللہ نے توفیق دی حالات سازگار رہے اور قلم و قرطاس سے رابطہ قائم رہا تو یہ عاجز سلسلہ "فقہائے ہند" کی چودھویں صدی ہجری کے علمائے کرام اور فقہائے عظام کے حالات میں حضرت مرحوم کی علمی اور فقہی زندگی کے مفصل واقعات ضبط تحریر میں لائے گا" (علمائے اہلحدیث کا ذوق تصوف ص ۱۱۷)

وفات

خالد بزمی ایم اے صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا احمد علی مرحوم انتقال فرما گئے تو مولانا داؤد غزنویؒ اپنی علالت اور نقاہت کے باوجود شیرانوالہ دروازہ سے یونیورسٹی گراؤنڈ تک جنازے کے ساتھ گئے اور مولانا احمد علی مرحوم کے اوصاف محاسن یاد کر کے اُن کی وفات پر گہرے افسوس اور صدمے کا اظہار کرتے رہے"

(حضرت مولانا داود غزنوی ص ۱۸۲)

مولانا داود غزنوی صاحب اپنی ۱۹۶۲ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں۔ "۲۴ فروری کو مولانا احمد علی صاحب علیہ الرحمہ کی نماز جنازہ میں شرکت کی... افسوس کہ آج 9:30 بجے مولانا احمد علی صاحب کئی سال فالج کی علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ کا تین بجے یونیورسٹی گراؤنڈ میں اعلان تھا۔ پہلے ان کی مسجد شیرانوالہ دروازہ میں گیا پھر یونیورسٹی گراؤنڈ میں نماز جنازہ کے لیے گیا۔ جنازہ سے پہلے وہاں بہت زیادہ خلقت جمع تھی جنازہ کے ساتھ اور بے شمار لوگ آگئے... نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس مکان آیا، بہت تھک گیا تھا۔ الحمدللہ دردِ دل کی تکلیف نہیں ہوئی" (حضرت مولانا داود غزنوی ص ۲۸۸)

غزنوی صاحب اپنی ڈائری میں مزید فرماتے ہیں۔

"مولانا احمد علی صاحب کی وفات اور حمید نظامی کی وفات سے جو صدمہ ہوا ہے اس کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا" (حوالہ مذکورہ ص ۲۸۹) مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، غزنوی مذکور کے متعلق لکھتے ہیں۔ "مولانا احمد علی سے ان کے تعلقات بہت گہرے تھے ان کی وفات پر فرمایا: آج دین کا ایک ستون گر گیا ہے اور میرے قریب رفقاء میں ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو کبھی پر نہ ہو سکے گا" (غزنوی خاندان ص ۱۳۹ ۔حضرت مولانا داود غزنوی ص ۱۴۴)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین۔ قسط: ۸

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

کئی دماغوں کا اک انساں

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مولانا میں اتنے اوصاف جمع تھے جن کا سیاست زدہ دور میں ایک جگہ پایا جانا مشکل ہے۔ مذہب، سیاست، تصوف اور حسن اخلاق کی حسین آمیزش کے حامل تھے۔ ادہر مسند تدریس پر حدیث پاک کی تدریس میں انہماک ہے تو سٹیج پر سیاسیات حاضرہ پر مناسب حال تقریر بھی فرمادی ہے خلوت میں حق تعالیٰ سے راز و نیاز ہے تو مجالس سیاسیہ میں ملکی مسائل پر گفتگو میں بھی حصہ لے رہے ہیں" (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۱۱۰۴)

علمی مقام:

حافظ احمد رشید لاہوری صاحب، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں۔ "بے شمار علمائے دیوبند آپ کے خلفائے اور مستفیدین میں شامل ہیں جن میں .... مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پانہ ارباب علم نمایاں ہیں" (ماہنامہ الاحیاء، لاہور: مارچ ۲۰۱۳ء صفحہ ۴۴)

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں۔

"معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ۔ ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے ... مجیب صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفت تامہ رکھتے ہیں اب میں مجبوراً چند علماء کے اسماء گرامی بطور مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا... مولانا حسین احمد سلمہ ...وغیرہ اکابر علماء حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں" (فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ ۲۶۴) امرتسری صاحب کی اس عبارت کے مطابق حضرت مدنی رحمہ اللہ مجتہد تھے۔

مولانا داود راز صاحب لکھتے ہیں۔ "ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا قاری محمد طیب، مولانا محمد منظور احمد نعمانی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا محمد میاں صاحب... افتاء و مسائل میں حجت اور سند ہیں" (تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلحدیث صفحہ ۸۶)

عقیدت و احترام

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا حسین مدنی کی زیارت کا شرف مجھے دو دفعہ حاصل ہوا ہے ایک دفعہ دس گیارہ سال کی عمر میں

اگر روزی عقل سے حاصل کی جاتی تو دنیا کے تمام بیوقوف مرجاتے۔ (بشارت علی عرف کاکا)

ان کی تقریر سنی وہ ضلع فیروز پور کے تحصیلی مقام "زیرہ" میں تشریف لائے تھے۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم ان دنوں ہمارے ہاں کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں خدمت تدریس و خطابت سر انجام دیتے تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے مولانا سمیت بہت سے لوگ خاص طور پر بس لے کر وہاں گئے تھے۔ رات کو حضرت مولانا مدنی کی تقریر سنی تھی۔ دوسری مرتبہ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں دہلی میں جمعیت علمائے ہند کے دفتر میں ایک میٹنگ تھی جو مولانا مدنی کی صدارت میں ہوئی تھی اور دو دن جاری رہی تھی اس میٹنگ میں متحدہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کے کم وبیش دو سو افراد شامل تھے مولانا محمد داود غزنوی، مولانا عطاء اللہ حنیف اور مولانا عبدالمجید سوہدری بھی تشریف فرما تھے۔ اس میٹنگ میں مولانا مدنی کو بہت قریب سے دیکھا اور ان کی باتیں سنیں۔ اس وقت میری عمر انیس بیس سال تھی" (دبستانِ حدیث صفحہ ۲۱۴)

بھٹی صاحب ہی لکھتے ہیں۔

"اس اجلاس میں مولانا غزنویؒ ایک مرکزی شخصیت تھے۔ نماز کا وقت آیا تو مولانا مدنیؒ نے مولانا سے امامت کی درخواست کی مگر انہوں نے مولانا مدنیؒ ہی کی اقتدا میں نماز پڑھنے کو ترجیح دی" (حضرت مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۳۰)

حضرت مدنی اور دفاع معاویہ

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب، مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں کہ۔

"اپنے ماہنامہ "رحیق" میں حضرت مولاناؒ نے مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے مجموعہ مکتوبات حصہ اول سے وہ مکتوب شائع فرمایا جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کے اقدام ولی عہدی کو جائز قرار دیا ہے اور اس کے اسباب وعوامل بیان فرمائے ہیں۔ اس کے آغاز میں حضرت الاستاذ (مولانا عطاء اللہ حنیف) نے حسب ذیل نوٹ تحریر فرمایا: مولانا مرحوم کا یہ مکتوب گرامی ان کے مجموعہ مکتوبات جلد اول میں شائع ہو چکا ہے۔ (ص ۲۴۱-۲۵۲) اس میں آپ نے اُن اسباب پر مختصر روشنی ڈالی ہے جو یزید کو ولی عہد بنائے جانے کا باعث ہوئے تھے۔ عام مؤرخین اور حال واعظین و مقررین حضرات سیدنا حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت بیان کرتے وقت یزید کی ولی عہدی کو بھی درمیان میں لے آتے اور شہادت کی کڑی اس سے ملاتے ہیں ایسے ہی حضرات کے غور وفکر کے لیے ہم یہ ارشادات "رحیق" میں شائع کر رہے ہیں" (جون ۱۹۵۸ء) حضرت مولانا نے یہ مکتوب ہی شائع نہیں فرمایا بلکہ حواشی میں ساتھ ساتھ تاریخی حوالہ جات سے مولانا مدنی کے اس موقف کو مدلل اور مؤکد کرتے گئے کہ... حضرت معاویہؓ کا اقدام ولی عہدی شرعا جائز تھا" (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۴۸۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یزید کو خلافت سپرد کرنے کا اعتراض غلط ہے اس معاملہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا ہے۔

ہر چیز کا ایک حسن ہوتا ہے نیکی کا حسن یہ ہے کہ فوراً کرلی جائے۔ (فاروق سیال، متعلم فتحیہ)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۹

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ (۲)

شغفِ حدیث

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا (مدنی) مرحوم کی زندگی اگر اس امر کی شہادت تھی کہ مذہب کے ساتھ سیاست بھی چل سکتی ہے تو اس سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اسلامی سیاست وہی ہو سکتی ہے جو قرآن وسنت کی نگرانی میں ہو اور یہ نتیجہ تھا حدیث پاک سے تعلق کا، اس کی تدریسی مزاولت کا، اور سارے شعبہ ہائے زندگی میں اس پر عمل سے شغف کا ...آپ نے سالہا سال تک والہانہ انداز سے حدیث پاک کا درس دیا۔ حنفی مسلک پر تصلب کو قائم رکھا اور اس کی خُوب خوب تبلیغ فرمائی بزرگانِ دیوبند کی روایات کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ افسوس ہے کہ بہمہ وجوہ قاسمی نظریات کی حامل یہ آخری شمع بھی خاموش ہے۔

غفر اللہ لہ وبرد مضجعہ۔

داغ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

(الاعتصام، اشاعتِ خاص: بیاد بھوجیانی صفحہ ۱۱۰۴)

سیاست

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب، حضرت مدنی رحمہ اللہ کی خلوت وجلوت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''خلوت میں حق تعالیٰ سے راز و نیاز ہے تو مجالس سیاسیہ میں ملکی مسائل پر گفتگو میں حصہ بھی لے رہے ہیں'' (الاعتصام: اشاعتِ خاص صفحہ ۱۱۰۴) مولانا عبدالرحمن رحمانی صاحب فرماتے ہیں۔

''مدنی طبقہ: سیاسی رجحانات زیادہ رکھتا ہے'' (ہم اہلحدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۷)

مولانا صلاح الدین یوسف صاحب، مولانا عطا اللہ حنیف صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''علمائے دیوبند سے ان کے تعلقات خاصے وسیع تھے، مولانا عبدالقادر رائے پوری مرحوم سے یک گونہ عقیدت اور مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ سے احترام کا تعلق تھا مولانا حسین مدنی کی وفات پر انہوں نے ماہنامہ ''رحیق'' لاہور میں نہایت پر درد اداریہ سپرد قلم فرمایا۔ جس میں ان کی علمی، دینی اور ملی وسیاسی خدمات پر بھرپور خراج تحسین پیش فرمایا'' (الاعتصام، اشاعتِ خاص: بیاد بھوجیانی صفحہ ۴۸۶)

جمعیۃ علمائے ہند

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''غالباً ۱۹۴۲ء کے مارچ میں جمعیۃ علمائے ہند کا سالانہ اجلاس لاہور میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیر صدارت منعقد ہوا'' (حضرت مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۲۹)

بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''۱۹۴۵ء میں دوسری جنگِ عظیم ختم ہوئی تو برطانوی حکومت نے ہندوستان کے سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا اور آزادی وطن کے مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ملک میں عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان کر دیا گیا۔ سیاسی جماعتیں میدان میں اتریں۔ ۱۹۴۶ء کے مارچ میں جمعیۃ علمائے ہند نے (اپنے دفتر واقع گلی قاسم خان دہلی میں) انتخاب کے سلسلے میں آئندہ لائحہ عمل طے کرنے کے لیے (مسلم لیگ کو چھوڑ کر) تمام

مسلمان سیاسی جماعتوں کا اجلاس بلایا۔ اس اجلاس میں ملک کے مشہور مسلم زعماء نے شرکت کی جن میں مولانا حسین احمد مدنیؒ ... وغیرہ بے شمار حضرات شریک ہوئے۔ میں بھی اس اجلاس میں شریک تھا۔ اجلاس مولانا حسین احمد مدنیؒ کی صدارت میں منعقد ہوا، جمعیت کے صدر تھے'' (حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۲۹)

انگریز سے ٹکر

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب لکھتے ہیں۔

''پہلی جنگ عظیم کے آخری ایام میں انگریز سے آئینی لڑائی کے لیے مسلمانوں کا جو ہراول دستہ جن میں اہلحدیث، علمائے قدیم وتعلیم یافتگان جدید سب ہی شریک تھے، آگے آیا تھا اس مین علمائے دیوبند سے مولانا محمود الحسنؒ صاحب مرحوم کے بعد آپ ہی کی شخصیت نمایاں تھی۔ مالٹا کی اسیری، کراچی کا مقدمہ بغاوت، جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت، قید وبند کے مصائب سب مراحل طے ہوتے گئے۔ ہندوستان آزاد ہوگیا، مولانا (مدنی رحمہ اللہ) اُن خوش قسمت لوگوں سے ہیں جنہوں نے انگریز کو ہندوستان سے اپنی آنکھوں (سے) جاتا دیکھ لیا'' (الاعتصام، اشاعتِ خاص: بیاد بھوجیانی صفحہ ۱۱۰۴)

مذہب میں سخت گیر

مولانا داود غزنوی صاحب فرماتے ہیں

''مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے بعد جمعیت علماء ہند کے صدر مولانا حسین احمد مدنی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند بنے...... یہ معلوم ہے کہ مولانا حسین احمد مدنیؒ مذہب کے بارے میں نہایت متقشف اور سخت گیر تھے'' (حضرت مولانا داود غزنوی صفحہ ۱۱۴)

حضرت مدنی پر فتوی بازی سنگ دلی ہے

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں۔

''سنگ دل مولویوں نے علامہ اقبالؒ، بانی پاکستان محمد علی جناحؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ سب علماء کو کافر قرار دیا'' (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۳۱۰)

سانحہ وفات

مولانا عطا اللہ حنیف بھوجیانی صاحب لکھتے ہیں۔

''علمائے دیوبند کو ہم یقین دلاتے ہیں کہ اہلحدیث کو آپ سے کوئی بغض نہیں وہ ہمیشہ ہی آپ کے ساتھ رہے ہیں وہ اہلِ بدعت کے مقابلے میں بھی آپ کا ساتھ دیتے ہیں وہ آپ کے سب بزرگوں کی عزت کرتے ہیں، دکھ درد میں آپ کے شریک رہتے ہیں چنانچہ حال ہی میں مولانا حسین احمدؒ کے سانحہ ارتحال کو پوری جماعت نے محسوس کیا'' (الاعتصام، اشاعتِ خاص بیاد بھوجیانی صفحہ ۴۸۸) بھوجیانی صاحب نے حضرت مدنیؒ کی وفات پر جو شذرہ لکھا اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: آہ! مولانا مدنی!

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تھدما

ہندوپاک کے مذہبی علمی، خانقاہی اور سیاسی حلقوں میں یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ سُنی گئی کہ سینکڑوں علماء کے استاذ، ہزاروں صلحاء کے مخدوم، لاکھوں انسانوں کے مرجع عقیدت، مولانا حسین احمد صاحب صاحب مدنی طویل علالت کے بعد دار العلوم دیوبند میں ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ (۵ دسمبر ۱۹۵۷ء) کو انتقال فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون'' (حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۱۰۴)

قسط نمبر۱۰

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

وفات لاہوری نا قابلِ تلافی نقصان

مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا احمد علی صاحب کی وفات میرے لئے انتہائی صدمہ کا باعث ہے۔ مولانا مرحوم ملک کے ممتاز ترین علماء میں سے تھے۔ ان کے سانحہ ارتحال سے ملت اسلامیہ کو جو نقصان پہنچا ہے وہ نا قابل تلافی ہے۔

مولانا مرحوم نے توحید و سنت کی اشاعت اور مشرکانہ رسوم کو مٹانے کے لئے شروع میں جو تکالیف برداشت کی ہیں آج کل کے نوجوان علماء اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے درس و تدریس کو جس تسلسل، پابندی اور قابلیت کے ساتھ انہوں نے تقریباً چالیس سال تک جاری رکھا اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ انگریزی استعمار کے خلاف جب تک یہاں انگریز رہا انہوں نے جہاد جاری رکھا۔ اس راہ میں تمام مصائب اور تکالیف کو انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ میرے ساتھ کئی دفعہ جیل جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں مجھے ان کے بہت قریب رہنے کا موقع ملا میں نے انہیں بہت مخلص اور ہمدرد رفیق پایا وہ باوجود اپنے بزرگانہ اوضاع و اطوار کے رفقاء جیل کے ساتھ تواضع، محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور بعض دفعہ ہمارے ساتھ بے تکلف مجالس میں بھی شریک ہو جاتے۔ مولانا مرحوم نے ہمیشہ کلمۃ الحق کا اعلان بلا خوف لومۃ لائم کیا جس میں آپ کو بے حد تکالیف پیش آتی رہیں لیکن علمائے ربانیین کے ذمہ کلمۃ الحق کا جو فریضہ عائد ہوتا ہے اسے ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ غرض آج ملت اسلامیہ ایک عالم باعمل مجاہد فی سبیل اللہ عابد و زاہد اور علوم قرآن کے معلم و مبلغ سے محروم ہو گئی"۔

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور، حضرت لاہوری نمبر صفحہ نمبر ۳۱۵)

حضرت لاہوریؒ کا ترجمہ قرآن

مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب صدر جمعیۃ اہلحدیث لکھتے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن خدام الدین نے ایک عرصہ سے قرآن حکیم کے درس و تدریس کی گراں قدر خدمت اپنے ذمہ ابتغاءً لوجہ اللہ لے رکھی ہے اور باحسن وجوہ اس خدمت کو سرانجام دے رہے ہیں۔ حال ہی میں حضرت مولانا نے قرآن مجید ایک سادہ اور عام فہم ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اس عاجز نے اس ترجمہ کو مختلف مقامات سے دیکھا ہے۔ یہ ترجمہ اگرچہ بامحاورہ ہے۔ لیکن لفظی ترجمہ کو بھی بڑی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور یہ اس ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اور اسی لحاظ سے اسے میں نے سادہ اور عام فہم ترجمہ کہا ہے۔ قرآن مجید کے بعض تراجم قوسین کے درمیان تشریح الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت مولانا کا ترجمہ تشریح الفاظ کے نہ ہوتے ہوئے بھی عام فہم ہے۔ بہر حال مولانا احمد علی صاحب متع اللہ المسلمین بطول حیوتہٖ کی یہ قرآنی خدمت بڑی قابلِ قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اور قرآن مجید کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کو یہ سعادت بخشے کہ وہ اس نعمت سے استفادہ کریں اور رضاء الٰہی حاصل کریں۔ یہی ایک مسلمان کی زندگی کا

نصب العین ہے۔ اللھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ و جعلنا من عبادك المخلصین۔

فقیر بارگاہِ صمدی محمد داؤد غزنوی مہتمم دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور" (ہفت روزہ خدام الدین لاہور، حضرت لاہوری نمبر صفحہ نمبر ۳۴۱)

مولانا عبد المجید صاحب سوہدری لکھتے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کے کئی ترجمے اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مگر جو قبولیت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد العزیز رحمہما اللہ کے ترجمہ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور ترجمہ کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ محض ان کا خلوص اور للّٰہیت تھی۔ جس کی نظیر دوسری جگہ بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تراجم بکثرت شائع ہوئے اور انجمن خدام الدین لاہور نے اسی ترجمہ کو ترجیح دی اور اپنے حواشی، مطالب ربط آیات کے ساتھ بیس سال تک اسے متواتر چھاپتی رہی مگر اب عوام کے اس مطالبہ کے پیشِ نظر کہ اس ترجمہ کی زبان متروک ہوتی جا رہی ہے اور اردو علمِ ادب میں کافی تبدیلی ہو چکی ہے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب امیر انجمن کو مجبور کیا گیا کہ وہ اب صاف سلیس اور آسان زبان میں ترجمہ لکھیں۔ جسے بچے اور عورتیں بھی بآسانی سمجھ سکیں اور اس سے استفادہ کر سکیں چنانچہ یہ ترجمہ جو پیش نظر ہے حضرت مولانا ممدوح ہی کے قلم کا مرہونِ منت ہے اور واقعی ایسا آسان اور سہل ہے کہ کم سے کم قابلیت کا انسان بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مولانا ممدوح کے خلوص ہی کا یہ اثر ہے کہ ان کے بیسیوں تبلیغی رسائل لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر ملک میں قبولیت عامہ حاصل کر چکے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ترجمہ بھی اسی طرح مقبولِ عام ہوگا۔ ترجمہ نہایت صحیح ہے اور ہر حیثیت سے قابلِ اعتماد اور قابلِ داد ہے۔ ہم عوام سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ دیگر تراجم پر اسے ترجیح دیں اور اس کی عام اشاعت کریں کہ یہ بھی ایک طرح ایک دینی ادارہ کی امداد ہی ہے۔

عبد المجید خادم مالک اخبار اہلحدیث سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ" (ہفت روزہ خدام الدین لاہور، حضرت لاہوری نمبر صفحہ نمبر ۳۴۲)

گستاخانِ مدنیؒ کا انجام

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"میں نے دیکھا کہ تقریر کے دوران شاہ جی ننگے سر تھے۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ کپڑا۔ ان کے سفید گھنگھریالے بال عجب بہار دکھا رہے تھے سنا ہے شاہ جی نے اس وقت سے ٹوپی اتار دی تھی، جب انہیں پتا چلا تھا کہ جالندھر ریلوے اسٹیشن پر مولانا حسین احمد مدنی کی پگڑی اچھالی گئی ہے۔ یہ حادثہ اس وقت پیش آیا تھا جب مولانا حسین احمد مدنی صوبہ سرحد اور پنجاب کے دورے سے بذریعہ ٹرین دیوبند جا رہے تھے۔ ٹرین جالندھر اسٹیشن پر پہنچی تو چند مسلم لیگی نوجوان اپنے ایک ساتھی شمس الحق کی معیت میں وہاں آئے۔ مولانا کو برا بھلا کہا، ان کی پگڑی اتار لی، طمانچہ مارا اور گالیاں دیں۔ اس حادثے کے بعد شاہ جی پہلی مرتبہ امرتسر کے ایک جلسے میں ننگے سر آئے تھے۔ فرمایا، جب سے میری قوم نے حسین احمد کی پگڑی اتاری ہے، میں نے عہد کیا ہے، آئندہ سر پر ٹوپی نہیں رکھوں گا"۔

شورش کاشمیری نے اس حادثے کے متعلق اپنی کتاب "بوئے گل، نالہ دل، دودِ چراغ محفل" (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء) کے صفحہ ۲۷۲ کے حاشیے میں لکھا ہے:

"ہمارے ایک دوست ڈاکٹر اکرام الحق قریشی جالندھر

قسط نمبر ۱۱

اہلحدیث کا علمائے دیو بند کو خراج تحسین

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

ولادت ونسب

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں: ''مولانا ممدوح صوبہ یوپی کے ضلع سہارن پور کے مردم خیز علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور وہاں کے ایک قصبہ نانوتہ کے باشندے تھے۔ ان کے والد کا نام شیخ اسد علی اور دادا کا غلام شاہ تھا آپ ماہ شعبان (یا رمضان) ۱۲۴۸ھ میں بمقام نانوتہ پیدا ہوئے۔ (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۳۸) امام خان نوشہروی لکھتے ہیں: ''سلسلہ نسب جناب صدیق اکبر تک پہنچتا ہے'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۴)

تحصیل علم

مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''اس بلند بخت عالم دین نے حصول علم کا آغاز اپنے مولد ومسکن نانوتہ میں کیا اور وہیں قرآن مجید پڑھا اور وہیں ابتدائی کتابیں پڑھیں... علم حدیث کی تحصیل مولانا احمد علی سہارنپوری اور شاہ عبدالغنی مجددی سے کی۔ بعض اساتذہ سے حساب وریاضی اور اقلیدس کی کتابیں پڑھیں، غرض علوم مروجہ میں خوب مہارت پیدا کی اور ہر گوشۂ فن سے بہرہ ور ہوئے'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۳۸)

امام خان نوشہروی لکھتے ہیں۔

''کتب علوم فنون مولوی مملوک علی نانوتوی سے پڑھیں حدیث شریف شاہ عبدالغنی صاحب رحمہ اللہ علیہ، والد ماجد جناب شہید سے'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۵، مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ کراچی)

علمی مقام

مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''تیرہویں صدی ہجری کے ہندوستان کے اعاظم رجال میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو خاص اہمیت حاصل ہے اور ان کا شمار اپنے دور کے فحول علماء میں ہوتا ہے۔ مروجہ علوم کے تمام گوشوں پر ان کو عبور حاصل تھا اور معقول و منقول میں کافی دسترس رکھتے تھے'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۳۷)

بھٹی صاحب اپنی اسی کتاب میں مزید لکھتے ہیں

''مولانا نانوتوی... اپنے دور کے بہت بڑے انسان تھے'' (صفحہ ۲۴۵) ''عظیم المرتبت عالم دین'' (صفحہ ۲۴۵) ''مولانا نانوتوی دونوں (مواقع) میں شریک ہوئے اور دونوں مرتبہ اپنے علم وفضل کے جوہر دکھائے'' (صفحہ ۲۵۷)

''مولانا نانوتوی ہمہ اوصاف موصوف عالم تھے'' (صفحہ ۲۵۸) ''ان مکاتیب ورسائل اور تصنیف سے پتہ چلتا ہے کہ بلاشبہ وہ بہت بڑی قوت علمیہ اور قوتِ بیانیہ کے مالک تھے'' (صفحہ ۲۶۵)

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب لکھتے ہیں

''ماضی قریب کے جید اہل علم جن پر برصغیر پاک وہند کو بجا طور پر فخر ہے ولی اللہی خاندان اور ان کے متوسلین ... مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود الحسنؒ... مولانا سید محمد انور شاہؒ، مولانا مفتی کفایت اللہؒ... سب بزرگ اسی

نصاب کے فیض یافتہ تھے۔ان حضرات کی خدماتِ علمی واسلامی سے کون انکار کرسکتا ہے؟اور کیا یہ واقعہ نہیں کہ اپنے اپنے درجے میں ان ہی کی مساعی، محنت ایثار اور قربانیوں کا فیض ہے جو علوم دینیہ کی تھوڑی بہت رونق نظر آرہی ہے'' (الاعتصام: اشاعتِ خاص، بیاد عطاء اللہ حنیف صفحہ ۴۹۰)

مولانا اسماعیل سلفی صاحب نے بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے علم اور جلالتِ قدر کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ آگے ''تصانیف'' کے تحت آرہا ہے۔

شغف حدیث

مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں

''تفسیر، حدیث، فقہ، ادبیات، بیان و معانی، منطق وفلسفہ اور حساب وریاضی وغیرہ ہر فن پر ان کی گہری اور عمیق نظر تھی'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۳۸)

امام خان نوشہروی صاحب لکھتے ہیں

''مولانا محمد قاسم مرحوم نانوتوی (جو اس وقت مطبع احمدی میرٹھ میں متعین تھے) نے خواب میں رسالت مآب ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ: ''قاسم! علی گڑھ جاؤ اور ہمارے دوست عبد الجلیل کے بیٹے اسماعیل کو حدیث پڑھاؤ'' مولانا علی گڑھ تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کے دوست عبد الجلیل کے بیٹے کو نو مہینے میں صحاح ستہ کا دور ختم کرا کے واپس چلے گئے، اس مدت کی اُجرت بجز نانِ جویں کے کچھ قبول نہ فرمائی'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۵)

نوشہروی صاحب مزید لکھتے ہیں

''مولوی احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری کی تحشی (حاشیہ لکھنا، ناقل) کر رہے تھے مولانا محمد قاسم مرحوم مصحح تھے مگر بخاری شریف کے آخری پانچ یا چھ پاروں کی تحشی بھی آپ کے سپرد ہوئی، اس پر بعض حضرات نے مولوی احمد علی صاحب کی خدمت میں بطور اعتراض عرض کیا کہ ''آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کیا'' اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا کہ میں ایسا نادان نہیں ہوں جو بدون سمجھے بوجھے ایسا کام کروں، اور مولوی (نانوتوی) صاحب کا حاشیہ اُن کو دکھایا تب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں سب سے مشکل مقام ہے علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اول سے التزام ہے اور اس جگہ پر امام بخاری نے جو اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور اُن کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۵) نوشہروی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں صفحہ ۳۶ پر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور مدرسہ دیوبند کی خدمات حدیث کو تسلیم کیا ہے،ہم ان کا یہ اعتراف اپنے دوسرے مضمون ''دار العلوم دیوبند'' میں حرف بہ حرف نقل کریں گے، ان شاءاللہ۔

حب نبوی ﷺ

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو حضور ﷺ سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت تھی آپ کا حدیث کی خدمت کرنا اور خواب میں حکم نبوی سن کر اسے بجالانا حب نبوی کی دلیل ہے نیز آپ نے شان نبوی میں اشعار بھی کہے ہیں۔

''قصائد قاسمیہ: مولانا ذوق شعری بھی رکھتے تھے یہ ان کے چند قصائد کا مجموعہ ہے، قصیدۂ اول رسول اللہ ﷺ کی شانِ بابرکات میں ہے...'' (فقہائے پاک وہند

جلد ۳ صفحہ ۲۶۹)

یہ حب نبوی ہی تو تھی کہ حضرت نے آپ ﷺ کی نبوت کو معقولی اور منقولی دلائل سے ثابت کیا، بھٹی صاحب آپ کی تصانیف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''

''تقریر دلپذیر: اس میں عقلی اور نقلی دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کی گئی ہے اور اللہ کی توحید اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا ثبوت دیا ہے۔ نیز واضح کیا گیا ہے کہ نجات کا دارومدار صرف اسلام کو ماننے پر ہے'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۶۷)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ ﷺ کے ساتھ سچی حقیقی محبت نصیب فرمائے۔

خشیت الٰہی اور للٰہیت

امام خان نوشہروی صاحب لکھتے ہیں

''مولانا محمد قاسم صاحب کا خلوص و محبت مشہور ہے کہ مدرسہ دیوبند میں ۵۰ روپے مشاہرہ پر ملازم ہیں مگر صرف دس روپے لیتے ہیں اس پر بھی اگر کوئی ملاقاتی آگیا تو گھڑی سامنے رکھ لی اسی طرح مہینے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اپنے حساب میں لگا لیتے'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۴)

یہ آپ کا خلوص ہی تو تھا کہ نو ماہ تک درسِ حدیث دیتے رہے مگر سوائے کھانے کے کچھ قبول نہیں فرمایا جیسا کہ ''شغفِ حدیث'' عنوان کے تحت پہلے نقل ہو چکا ہے۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی آپ کی قناعت شعاری بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''زندگی سادہ تھی اور زمانہ سستا تھا، پھر علمائے دین کے دلوں میں خلوص کا بے پناہ داعیہ کارفرما تھا اور وہ تھوڑے کو بہت سمجھنے کے عادی تھے، وہ کوئی کام پیسے کے لئے نہیں کرتے تھے، نیکی سمجھ کر کرتے تھے اور ان کے ذہن وقلب پر ہر آن خشیت الٰہی اور للٰہیت کا جذبہ طاری رہتا تھا'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۵۱)

ذہانت، فطانت اور فراست

مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے ایک جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''یہ ایک بہت بڑے حاضر دماغ جواب سیاست دان ہی کا جواب ہو سکتا ہے'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۵۱)

بھٹی صاحب ہی لکھتے ہیں

''اللہ تعالیٰ نے ان کو ذہانت و فطانت کی دولت سے مالا مال کیا تھا'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

حافظہ کمال تھا کہ ذہنی یکسوئی حاصل نہ ہونے کے باوجود آپ نے قرآن حفظ کر لیا، بھٹی صاحب لکھتے ہیں

''زمانہ روپوشی اور ایام حج میں ایک بہت بڑا کام یہ ہوا کہ قرآن مجید حفظ کر لیا۔ روپوشی کا دور نہایت پریشانی کا دور تھا اور مستقل طور سے کسی ایک جگہ پر قیام ممکن نہیں تھا، حج کے دنوں میں بھی کسی ایک مقام پر بیٹھنا مشکل ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس زمانے میں مولانا کو حفظ قرآن کی نعمت حاصل ہو گئی'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۴۷) کسی کے ثقہ ہونے میں اس کی عدالت اور تام الضبط ہونے کو دیکھا جاتا ہے ہمارے اس مضمون کے مندرجات سے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے عادل اور تام الضبط ہونے کا ثبوت ملتا ہے لہٰذا آپ ثقہ عالم تھے۔

☆......☆......☆......☆......☆......☆

(قسط ۱۴)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (۲)

مہمان نوازی

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:۔

"مولانا نانوتوی ہمہ اوصاف موصوف عالم تھے، ان میں جہاں اور بہت سی خوبیاں پائی جاتی تھیں وہاں ایک خوبی یہ تھی کہ بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ مہمان کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے اور اس کو کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہیں ہونے دیتے تھے"۔ (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ)

بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں:

"بلکہ شاہ صاحب کے ساتھ جو بھنگی سائیں تھے ان کو خود کھانا کھلایا اور ان کی خاطر مدارات کی.......

کہا جاتا ہے کہ جب وہ مہمان یعنی شاہ صاحب مولانا نانوتوی کے ہاں سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے مولانا سے کہا: فقیر تو آپ ہیں ہم تو صرف نقال ہیں"

(فقہائے پاک وہند صفحہ ۲۶۴)

عظمت وعزیمت

محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"تھانہ بھون کی مجلسِ مشاورت کے بعد ان حضرات (علماء و مجاہدین) نے حاجی امداد اللہ صاحب کو امیرِ جہاد مقرر کیا اور شاملی (ضلع مظفر نگر) میں انگریزوں کے خلاف میدانِ جہاد میں اُترے۔ حافظ محمد ضامن، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی نے خوب دادِ شجاعت دی....... اس سے کچھ عرصہ بعد حالات نے انگریزوں کے حق میں پلٹا کھایا تو انہوں نے مسلمانوں سے انتقام لیا....... مولانا محمد قاسم نانوتوی کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے"۔

(فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۴۴)

وارنٹ گرفتاری جاری ہونے کے بعد حضرت روپوش رہے، بھٹی صاحب لکھتے ہیں: "مولانا نانوتوی کم وبیش ساڑھے تین سال روپوش رہے اور یہ اُن کے لئے انتہائی آزمائش کا زمانہ تھا جو انہوں نے مختلف مقامات میں گزارا....... اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں وہ کتنی تکلیفوں سے دوچار ہوئے ہوں گے اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک بھاگ دوڑ میں انہیں کس قدر ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچی ہو گی لیکن یہ سب تکلیفیں اور اذیتیں انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ یہ ان کی عظمت وعزیمت کی بہت بڑی دلیل ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ"۔ (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۴۵)

باقیات صالحات

علم کی سچائی عاجزی ہے۔ ﴿عبدالحسیب، محلہ سرور شاہ﴾

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی ''باقیات صالحات'' بہت سی چیزیں ہیں۔ بعض درج ذیل ہیں:۔

۱۔ **تصانیف:۔** محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا نانوتوی متعدد کتابوں کے مصنف تھے اور ان کی تمام تصنیفات ان مسائل سے متعلق ہیں جو ان کے عہد میں زیر بحث تھے ان سے مختلف اہل علم نے جو استفسار کیے ان کے انہوں نے مفصل اور مدلل جواب دیئے اور پھر وہ کتابی صورت میں شائع ہوئے ان کے مندرجات و مشمولات نہایت دقیق اور فلسفیانہ ہیں''۔

(فقہائے پاک و ہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۴)

۲۔ **تلامذہ:۔** بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا محمد قاسم نانوتوی بلاشبہ دیار ہند کے جلیل القدر عالم اور متعدد اوصاف کے حامل تھے ان کی خدمات گوناگوں کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کے تلامذہ کا حلقہ اگرچہ محدود تھا لیکن اس میں ہندوستان کے بعض عاظم رجال شامل ہیں جن میں شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا احمد حسن امروہی، مولانا محمد یعقوب دہلوی اور حکیم منصور علی خان مراد آبادی لائق تذکرہ ہیں''۔ (فقہائے پاک و ہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۹)

۳۔ **دارالعلوم دیوبند کی تاسیس:۔** بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی''۔

(فقہائے پاک و ہند جلد ۳ صفحہ ۲۳۳)

امام خان نوشہروی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:۔

''مدرسہ عالیہ دیوبند کی تاسیس میں آپ نے بھی حصہ لیا اور مدرس کی حیثیت سے رہے''۔ (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۳۵)

استاد کی خدمت کا صلہ

محمد تنویر الحسن، کراچی

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی اپنے استاد محترم کے لیے سردی کے موسم میں قرب و جوار کے کنوؤں سے گوبر کے خشک اوپلے اکٹھے کر کے پانی گرم کرتے اور نماز تہجد کے وقت استاد محترم کی خدمت میں پیش کرتے۔ استاد صاحب مغرب اور عشاء کا وضو بھی اسی پانی سے کرتے۔ ایک رات سخت سردی پڑ رہی تھی اور بارش بھی شروع تھی۔ آگ سلگائے رات کا کافی حصہ گزر گیا۔ تہجد کے وقت جب استاد محترم جاگے تو خیال کیا کہ سردی کا موسم ہے شاید احسان احمد نے پانی گرم نہ کیا ہو ادھر آپ استاد محترم کے لیے سراپا انتظار تھے۔ استاد محترم نے سخت سردی کے عالم میں جب گرم پانی ہاتھ پر انڈیلا تو دل سے دعا نکلی کہ احسان تو نے میری خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ میں راضی ہوں ایک وقت آئے گا کہ بادشاہ بھی تیری جوتیاں سیدھی کریں گے۔ قاضی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے استاد محترم کی دعاؤں کی تکمیل اپنی آنکھوں سے یوں دیکھی کہ جب میں والی خلافت کے ہاں مہمان ہوا تو دعوت سے فارغ ہونے کے بعد والیء خلافت نے میری جوتیاں اٹھا کر سامنے رکھ دیں اور مجھے اپنے استاد محترم کی بات یاد آگئی جو انہوں نے میرے لیے دعا کی تھی۔ (قاضی احسان احمد سوانح و افکار، صفحہ ۳۰)

شادی مبارک: محمد عثمان قریشی، فیاض احمد قریشی اور دارالعلوم فتحیہ کے فاضل مولانا ولید عباس، مولانا محمد شفیق قریشی رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ہیں۔ ہم انہیں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ ﴿ادارہ﴾

اگر خوش رہنا ہے تو دوسروں کو خوش کرنا سیکھو۔ ﴿حافظ محمد انس، جامعہ کندن للبنات﴾

قسط: ۱۳

رب نواز احمد پور شرقیہ

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ

تصنیفی خدمات: ہم ''علمی مقام''.....اور.....''باقیات صالحات'' عنوان کے تحت نقل کر آئے ہیں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے متعدد تحقیقی اور عظیم الشان کتب تصنیف کی ہیں مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب نے ان کی ۲۶ کتابوں کا تعارف پیش کیا۔ اختصار کے پیش نظر ہم چند کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔آب حیات: مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:'' یہ رسول اللہ ﷺ کی روحانی وجسمانی حیات مبارکہ سے متعلق ایک علمی اور تحقیقی کتاب ہے۔ باغ فدک کے بارے میں جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا بھی اس میں جواب دیا گیا ہے۔'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳، صفحہ ۲۶۵) مولانا اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:'' حضرت مولانا نانوتوی کی ''آب حیات'' دیکھنے کا موقع ملا، مولانا نانوتوی کے علم اور جلالتِ قدر کا پہلے بھی یقین تھا، آب حیات دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہوا'' (حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۸۰)

۲۔مصابیح التراویح: مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب لکھتے ہیں: یہ تراویح سے متعلق مولانا احمد حسن امروہی کے ایک استفسار کا جواب ہے''(فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

۳۔الدلیل المحکم علی قراءۃ الفاتحہ للموتم: بھٹی صاحب لکھتے ہیں:'' یہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، اس کے آخر میں ایک بزرگ کے نام ایک مکتوب ہے۔ جس میں تقلید اور آٹھ رکعت تراویح (کی تردید، ناقل) کا بیان ہے (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۵)

۵۔تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہا: اکثر بریلوی اور بعض غیر مقلدین اعتراض کرتے ہیں کہ تحذیر الناس کتاب میں ختم نبوۃ کا انکار کیا گیا ہے حالانکہ ایسے نہیں ہے۔ بریلوی کے مشہور پیر کرم شاہ الازہری صاحب لکھتے ہیں: لیکن مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھنے کے بعد یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی عقیدۂ ختم نبوت کے منکر تھے کیونکہ یہ اقتباسات بطورِ عبارۃ النص اور اشارۃ النص اس امر پر بلاشبہ دلالت کرتے ہیں کہ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ علیہ ختم نبوت زمانی کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے اور اس کے دلائل کو قطعی اور متواتر سمجھتے تھے انہوں نے اس بات کو صراحت سے ذکر کیا ہے کہ جو حضور علیہ ﷺ کی ختم نبوت زمانی کا منکر ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (تحذیر الناس میری نظر میں صفحہ ۵۸)

زبیر علی زئی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں: رضا خانی بریلوی... یہ لوگ حنفی مذہب سے بغاوت کر کے عقائد میں غیر مقلد بن جاتے ہیں (علمی مقالات جلد ۴ صفحہ ۴۰۶)

غیر مقلدین کے ''محدث العصر وفضیلۃ الشیخ'' محب اللہ شاہ راشدی صاحب لکھتے ہیں:'' حنفی دیوبندی مکتبہ فکر کے علمائے کرام میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کی بھی چند کتب عیسائیت اور آریہ سماج کے رد میں لکھی گئی ہیں یا جوان کے ساتھ مناظرے ہوئے ہیں وہ قلم بند کئے گئے ہیں مولانا موصوف نے جوان کے رد میں کتابیں لکھی ہیں وہ تو بلاشبہ نہایت مفید ہیں جن کا تذکرہ یہاں بھی کیا جاتا ہے۔(۱) مباحثہ شاہجان پوری (۲) قبلہ نما (۳) تقریر دلپزیر (۴) ترکی بہ ترکی وغیرہا، یہ ساری ہمارے پاس موجود ہیں'' (مقالاتِ راشدیہ جلد ۱ صفحہ ۴۸۲)

وقائع اسلام:

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا نانوتوی نے جلسۂ عام میں تقریر کی اور اسلام پر جو اعتراضات پنڈت سرسوتی نے کیے تھے ان کا مدلل جواب دیا'' (فقہائے ہند جلد ۳ ۲۵۷)

بھٹی صاحب حضرت رحمہ اللہ کی کتاب ''ترکی بہ ترکی'' کے

تعارف میں لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ میرٹھ (یوپی) میں آریہ سماجیوں نے اسلام پر کچھ تحریری اور تقریری اعتراض کیے تھے اس رسالہ میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۷)

مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب لکھتے ہیں۔

''علمائے کرام عیسائی حکومت کی سرپرستی میں مسیحی مبلغین کے اودہم مچانے اور سرسید کی خلاف اسلام پالیسی کی وجہ سے بجا طور پر اسلام اور علوم علوم عربیہ کے تحفظ کی فکر پڑ گئی کہ مبادا عیسائی حکومت یہاں (ہند میں) بھی اندلس کی طرح اسلام وعلوم اسلامیہ کو نیست و نابود ہی کر دے اس بناء ...دیوبند میں مولانا محمد قاسمؒ ..لکھنو میں علمائے فرنگی محل اور ان سب بزرگوں کے تلامذہ نے تدریس و تصنیف میں مصروف جہد وعمل ہو کر اسلام کے علمی وعملی محاذ کو مضبوط کر لیا۔'' (الاعتصام :اشاعتِ خاص ،بیاد مولانا عطاء اللہ حنیف صفحہ ۱۱۰۲)

مناظرے اور مباحثے

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''پھر جب حکومت براہِ راست تاجِ برطانیہ کے قبضے میں آئی تو ان (عیسائیوں) کی تبلیغی تگ وتاز نقطہ عروج کو پہنچ گئی ،علمائے دین نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔تحریر وکتابت کی صورت میں بھی اور تقریروں اور مناظروں کی شکل میں بھی ۔ان حضرات علمائے کی وسیع فہرست میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ،مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ،مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور مولانا سید امیر حسن حسینی سہوانی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں ۔انہی حضرات میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کا نام نامی شامل ہے'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۵۴)

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''ان دنوں تارا چند نام کا ایک پادری جگہ جگہ اسلامی احکام وفرامین کا مضحکہ اڑاتا تھا، یہ صورتِ حال مولانا نانوتوی کے لیے ناقابل برداشت تھی چنانچہ ایک دن وہ خود میدان میں آئے اور اپنا نام ظاہر کئے تعارف بغیر مجمع عام میں اسلام کی حقانیت بیان کرنے اور عیسائیت کا رد کرنے لگے، وہیں تارا چند سے ان کا سامنا ہوا اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد مناظرہ شروع ہو گیا مناظرے میں پادری کو شکست ہوئی اور مولانا کامیاب رہے۔'' (فقہائے پاک وہند ج ۳ ص ۲۵۵)

بھٹی صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''مولانا قاسم نانوتوی نے ابطالِ تثلیث ،ردِ شرک اور اثباتِ توحید کے موضوع پر تقریر کی اور مخالف وموافق میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ مسلمان جیت گئے اور دوسرے مذہبوں (عیسائیوں اور ہنداؤوں) کے مناظر ہار گئے ۔'' (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۵۶)

امام خان نوشہروی صاحب لکھتے ہیں۔

''سوامی دیانند سرسوتی :باقی آریہ سماج سے مباحثہ کیا جس میں سوامی جی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔'' (تراجم علمائے حدیث ہند صفحہ ۲۲۵)

وفات:

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا نانوتوی حج بیت اللہ سے تیسری اور آخری مرتبہ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ ...۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء کو پنجشبہ کے روز دیوبند میں ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی اور نمازِ مغرب کے بعد اس خزینہ علم وفضل کو اسی سرزمین میں سپردِ خاک کیا گیا۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ**۔ (فقہائے پاک وہند جلد ۳ صفحہ ۲۶۹)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

الحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۱۴

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

میں صبح وشام کرے کہ تیرے دل میں کسی کے لیے میل نہ ہو تو ایسا ضرور کر پھر فرمایا یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

نام ونسب

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ''مختصر نسب نامہ''عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

''پیر سید الکبیر شاہ، سید معظم شاہ، شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری، سید انظر شاہ، سید احمد۔''(ہم اہلحدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۷۸)

یعنی آپ کے دادا پیر سید عبدالکبیر شاہ ہیں، والد سید معظم شاہ ہیں جب کہ بیٹا انظر شاہ اور پوتا سید احمد شاہ ہے۔

اساتذہ اور تلامذہ

حضرت رحمہ اللہ کے اساتذہ میں ایک نمایاں نام حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا ہے۔

مولانا عبدالمجید سوہدری صاحب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

''مولانا سید انور شاہ، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد علی لاہوری رحمہم اللہ آپ کے اجل شاگردوں میں سے ہیں آپ ہی ہیں جنہوں نے ''شیخ الہند'' کا خطاب پایا''(سیرۃ ثنائی صفحہ ۱۲۱)

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

چار دانگ عالم میں آپ کے شاگرد پھیلے ہوئے ہیں ''(ہم اہلحدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۸۰)

آپ کے شاگردوں میں ایک نمایاں شخصیت حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کی ہے۔ رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے۔

''مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ نے اپنے شیخ مولانا انور شاہ کشمیری صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ ...''(الاعتصام: اشاعت خاص بیاد بھوجیانی صفحہ ۷۵۲)

شیخ الحدیث کا منصب

مولانا عبدالمنان نور پوری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جو دیوبند میں حدیث کے استاد تھے اور بہت اونچے پایہ کے محدث اور شیخ الحدیث تھے''(مقالات نور پوری صفحہ ۱۱۵)

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب حضرت کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

''دیوبند حضرات کی معروف درس گاہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دیتے رہے''(ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۸۰)

بلند پایہ محدث

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا انور شاہ کشمیری حنفی دیوبندی جو حنفیوں میں بہت محدث ہو کر گزرے ہیں اور دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاد رہے ہیں۔''(رسائل بہاولپوری صفحہ ۱۱۱)

مولانا عبدالسنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بہت پایہ کے محدث ہوئے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے'' (مقالات نورپوری صفحہ ۴۴۹)

مقام علم

مولانا عبدالرؤف صاحب لکھتے ہیں۔

''ہندو پاک کے مشہور عالم وفاضل حضرت مولانا انور شاہ دیوبندی رحمہ اللہ'' (نصرۃ الباری فی بیان صحت البخاری صفحہ ۹۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''حضرت العلام مولانا سید انور شاہ صاحب دیوبندی'' (نصرۃ الباری صفحہ ۲۲۶)

''العلام'' مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنیٰ ''بہت علم والا'' ہے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب لکھتے ہیں۔

''ماضی قریب کے جید اہل علم جن پر برصغیر پاک وہند کو بجا طور پر فخر ہے، ولی اللھی خاندان اور ان کے متوسلین.... مولانا قاسم نانوتوی، مولانا محمود حسن، مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا کفایت اللہ رحمھم اللہ سب بزرگ اسی نصاب کے فیض یافتہ تھے ان حضرات کی خدمات علمی اور اسلامی سے کون انکار سکتا ہے؟'' (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۴۹۰)

پروفیسر عبداللہ بہاولپوری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا انور شاہ کشمیری جیسے مسلم اور جلیل القدر علماء'' (رسائل بہاولپوری صفحہ ۲۵۳)

محمد تنزیل صدیقی صاحب سندھ میں قائم ایک مدرسہ ''دارالرشاد'' کے متعلق لکھتے ہیں۔

''مدرسہ کے معائنہ کے لیے رفیع المرتبت علماء کو مدعو کیا جاتا جن میں مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا سید انور شاہ کشمیری، مولانا اشرف علی تھانوی وغیرھم شامل ہیں'' (اصحاب علم وفضل صفحہ ۳۶)

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب حضرت کشمیری رحمہ اللہ کے متعلق اقرار کرتے ہیں کہ وہ مجتہد تھے اور انہیں دلائل کی معرفت تامہ تھی عبارت وحوالہ کے لیے آئندہ صفحات میں آنے والا عنوان ''مقام اجتہاد اور تصنیفی خدمات'' کا ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

مولانا داود راز صاحب نے حضرت کشمیری رحمہ اللہ کو ''حضرت العلام'' تسلیم کیا ہے جیسا کہ اگلے عنوان ''مقام تحقیق'' کے ذیل میں آرہا ہے، ان شاء اللہ۔

مقام تحقیق

مولانا عبدالشکور شکراوی صاحب لکھتے ہیں۔

''موجودہ دور نے سرزمین ہند میں چند گراں پایہ عالم اور محققین اسلام ومبلغین عظام پیدا کیے، ان میں شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، عبدالحق، سید انور شاہ کشمیری رحمھم اللہ وغیرھم ہستیاں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے رنگ میں منفرد ہے'' (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۳)

مولانا داود راز صاحب لکھتے ہیں۔

''زمانہ قریب کے مشہور محقق حضرت العلام سید انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمہ اللہ'' (تحریک جماعت اسلامی اور مسلک اہلحدیث صفحہ ۷۶)

علماء کی حیرت انگیز خوبیاں

محمد اظہر، محلہ عباسیہ

۱۔ کسی عالم نے آج تک خودکشی نہیں کی۔
۲۔ کوئی عالم نیند کی گولی کھا کر نہیں سوتا۔
۳۔ کبھی کوئی عالم بھوک سے نہیں مرا۔

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

قسط: ۱۵

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (۲)

مقام اجتہاد

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب حضرت کشمیری رحمہ اللہ کو ''مجتہد'' تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

''مجیب نے میری منقولہ بالا تعریف کو صحیح مان کر لکھا ہے کہ دلیل کی معرفت ہدایہ وغیرہ پڑھنے سے نہیں آتی کیونکہ معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ نہیں وغیرہ، ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے۔ میں (ثناء اللہ) کہتا ہوں کہ مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے مگر مجیب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفت تامہ رکھتے ہیں۔ اب میں مجبوراً چند علماء کے اسماء گرامی بطور مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ کیا مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، مولانا انور شاہ دیوبندی مرحوم، مولانا محمود حسن مرحوم، مولانا حسین احمد سلمہ اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم وغیرھم اکابر علماء حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی؟ واللہ مجھے اس کی نفی کرتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا ان بزرگوں کی ہتک سمجھتا ہوں'' (فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ ۲۶۳)

حافظہ، ذہانت وفطانت

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں۔

''علامہ انور شاہ کشمیری کا حافظہ بڑا قوی تھا، وہ بلا کے ذہین وفطین تھے'' (تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں صفحہ ۳۰۰)

مولانا عتیق الرحمن صاحب لکھتے ہیں۔

''دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب علم میں اور ذہانت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ پورے ہندوستان میں ان کا شہرہ تھا، اپنے پرائے سب آپ کے علم کے معترف تھے، بلا کی ذہانت رکھتے تھے جو کتاب ایک مرتبہ دیکھی پھر دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی'' (ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۸۰)

مولانا عبد الغفار حسن صاحب لکھتے ہیں۔

''مجھے یاد آیا کہ مولانا یوسف بنوری مرحوم نے اپنے شیخ مولانا محمد انور شاہ کشمیری صاحب مرحوم کے بارے میں لکھا ہے کہ: میرے استاذ ''غرر النقول'' کے جمع کرنے میں بڑے ماہر تھے یہ وہی کر سکتا ہے جو قوت حافظہ کے ساتھ ذہانت وفطانت میں یکتائے روزگار ہو'' اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں صفات ''التعلیقات السّلفیہ علی سنن النسائی'' مؤلف میں بدرجہ اتم موجود تھیں'' (الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۷۵۲)

مذکورہ عبارت میں صاحبِ ''التعلیقات السّلفیہ'' کے متعلق جو بات کی ہے وہ محتاج دلیل ہے۔

تصنیفی خدمات

حافظ احمد رشید لاہوری صاحب لکھتے ہیں۔

''سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ علمائے دیوبند میں جو مقام ومرتبہ رکھتے ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ موصوف کی ساری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری ہے کبار علمائے دیوبند

باوضو رہنا اچھی عادت ہونے کے ساتھ عبادت بھی ہے۔ [محمد عمر، تعلیم القرآن رشیدیہ]

موصوف کے تلامذہ میں ہیں جن میں مولانا بدرِ عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا چراغ رحمۃ اللہ علیہ کے اسمائے گرامی خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔ (ماہنامہ الاحیاء لاہور ۲۰۱۳ صفحہ ۴۴)

(۱) فیض الباری شرح بخاری:

مولانا عبدالمنان نورپوری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم کے بڑے استاذ اور بہت بڑے عالم، محدث تھے، فیض الباری کے مقدمے میں املائی تقریر فرماتے ہیں کہ....'' (مقالاتِ نورپوری صفحہ ۳۱۱)

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

''آپ کی قابل تذکرہ تصانیف میں سے فیض الباری افادات حضرت شاہ صاحب وعرف الشذی ہیں'' (ہم اہل حدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۸۰)

(۲) عرف الشذی شرح ترمذی:

امام خان نوشہروی صاحب لکھتے ہیں۔

''سلسلہ تحدیث دیوبند کے ثمرات کتب احادیث کی ان شروح کی صورت میں نمایاں ہوئے جو بعنوان ''العرف الشذی علی جامع الترمذی از مولانا السید انور شاہ و بذل المجہود فی شرح ابی داود از مولانا خلیل احمد سہارن پوری و فتح الملہم از مولانا شبیر احمد عثمانی شائع ہوئیں، ان ثلاثیات کے سوا دیوبند کا لٹریچر حدیث اور بھی تو ہے (بے شک، ناقل) اور یہ تمام فیضان جناب حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے پہنچا'' (تراجم علمائے ہند صفحہ ۳۶)

مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا انور شاہ مرحوم کے درسی نوٹ دو کتابوں کی شکل میں شائع ہوئے ہیں، یہ کتابیں بڑے فخر ومباہات کے ساتھ مصر میں چھپوائی گئی ہیں ان دونوں کتابوں کو دیکھ لیجیے تو ان کے درس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ مرحوم کس طرح اپنے مسائل کو معرفتِ تامہ کے ساتھ مدلل بیان کرتے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد اصفحہ ۲۶۹)

(۳۔۴) نیل الفرقدین، بسط الیدین:

یہ دونوں رفع یدین کے موضوع پر ہیں۔ مولانا اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ صاحب کی دقتِ نظر اور جلالتِ قدر کے باوجود نیل الفرقدین اور بسط الیدین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ....'' (رسول اکرم کا طریقہ نماز صفحہ ۶۲)

حنفی مقلد مگر جمود سے پاک

مولانا اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ صاحب مرحوم کی خلافیات میں وسعتِ نظر معلوم ہے اور حنفیت کے ساتھ گہری ہمدردیاں بھی ڈھکی چھپی نہیں'' (رسول اکرم کا طریقہ نماز صفحہ ۶۱)

مولانا عبدالمنان صاحب لکھتے ہیں۔

''قاضی صاحب کے بزرگ ان کی طرح اس قدر متعصب نہیں تھے اور وہ حق بات تسلیم کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے چنانچہ حضرت مولانا سید محمد انور صاحب کاشمیری کے خیالات کا جائزہ لیجیے'' (مکالماتِ نورپوری صفحہ ۲۶۱)

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت شاہ صاحب اگرچہ حنفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے مگر حق بات اور احادیث کی تائید بھی کرتے تھے، مخالف کے موقف کو تسلیم کرنا بھی ان کا شیوہ تھا، تقلید کا جمود جو...(جو نام نہاد اہلحدیثوں، ناقل) کا وطیرہ ہے سے بھی کافی دور تھے'' (ہم اہلحدیث کیوں ہوئے؟ صفحہ ۳۸۰)

اہل حدیث کے جامد مقلد ہونے کا ثبوت بندہ کے ذمہ ہے جسے اختلاف ہو وہ مطالبہ کرے، نام نہاد اہلحدیثوں کی تصدیقات کے ساتھ ہم باحوالہ اسے بیان کریں گے

۔سردست ہماری کتاب ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' حاشیہ ۴۵ملاحظہ فرمالیا جائے اُمید ہے کہ کافی تسلی ہو جائے گی ،ان شاءاللہ۔

رہبر ورہنما

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب اپنے ایک بزرگ کے حالات میں لکھتے ہیں۔

''مذہبی اور دینی رہنماؤں میں سے مولانا انور شاہ کاشمیری ،مولانا سید حسین احمد مدنی ،سید عطاء اللہ شاہ بخاری ،مولانا مفتی کفایت اللہ ،مولانا احمد سعید دہلوی رحمھم اللہ وغیرھم بہت سے بزرگوں کی آمدورفت کا سلسلہ ان گھر میں رہتا تھا'' (الاعتصام لاہور :۲۲محرم ۱۴۱۳ھ صفحہ۱۴)

ختم نبوت کے حوالے سے خدمت

مولانا محب اللہ شاہ راشدی صاحب لکھتے ہیں۔

''بہاول نگر(صحیح بہاول پور ہے ،ناقل) کے ڈسٹرکٹ جج خان صاحب محمد اکبر کے سامنے ایک مقدمہ آیا جس میں مدعیہ ایک عورت تھی اس کا دعوی یہ تھا کہ اس کا شوہر چونکہ غلام احمد قادیانی کو نبی مانتا ہے اور یہ بات ختم نبوت کے خلاف ہے جو کہ امت مسلمہ کا اجماعی مسئلہ ہے اس لئے اس کا شوہر مرتد ہو گیا ہے اس بناء پر اس کا نکاح فسخ کیا جائے کیونکہ ایک مسلم عورت ایک کافر کے نکاح میں نہیں رہ سکتی خان صاحب موصوف نے اس مقدمہ کا فیصلہ عورت کے حق کیا اور عورت کی طرف سے کئی علماء کرام شاہد تھے جن میں مولانا انور شاہ کشمیری بھی شامل (بلکہ انہوں نے مرکزی کردار ادا کیا ،ناقل) تھا ۔ان تمام نے مدعی علیہ یعنی عورت کے شوہر کا کفر ثابت کیا ۔بالآخر عورت کا نکاح فسخ کیا گیا اور جج صاحب نے ڈگری اس عورت کے فائدہ میں نکالی یہ مقدمہ ایک رسالہ بنام مقدمہ بہاول پور میں شائع ہوا جو کتب خانہ عالیہ علمیہ میں موجود ہے'' (مقالات راشدیہ جلد ۱صفحہ ۴۵)

مولانا سلطان محمود جلال پوری صاحب نے ''مقدمہ بہاول پور'' کو نسبتًا تفصیل سے بیان کیا ہے اسے ہم اپنے اُس مضمون میں نقل کریں گے جس میں علمائے دیوبند کی ختم نبوت کے حوالے سے خدمات کا تذکرہ ہوگا ۔یہاں اس میں سے صرف وہ حصہ نقل کرتے ہیں جس کا تعلق حضرت کشمیری رحمہ اللہ سے ہے۔

جلال پوری صاحب فرماتے ہیں۔

''مقدمہ کی پوری روئیداد چھپ چکی ہے مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ ....نے اہل اسلام کی طرف سے دلائل پیش کیے۔...فیصلہ مولانا الہی بخش رحمہ اللہ کی لڑکی کے حق میں ہوا اور قرار پایا کہ مرزائی قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں لہذا نکاح کالعدم ہے ،مسماۃ عائشہ جہاں چاہے نکاح کی مجاز ہے ۔'' (مولانا سلطان محمود جلال پوری صفحہ ۱۰۶)

کشمیری خاندان

مولانا عتیق الرحمن صاحب ،کشمیری خاندان کی متعدد شخصیات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

''مذکورہ بالا شخصیات کے علاوہ بے شمار شخصیات ایسی ہیں جو کہ تعلیم وتعلم کے ساتھ منسلک ہیں ۔کراچی کے ساحل سے لے کر کشمیر کی وادیوں تک یہ خاندان پھیلا ہوا ہے اور ہر جگہ اس خاندان کی پہچان دیوبندی مذہب ہے... پورے خاندان کا دین کے ساتھ لگاؤ کا یہ عالم ہے کہ ایک شخص بھی پورے خاندان میں ڈاڑھی منڈا نہیں ملے گا ۔اکثر گھر والوں میں علمائے دیوبند کے علم سے بہرہ افروز موجود ہیں بلکہ بعض میں ایسے ہیں جو کہ دینی مدارس سے فارغ اور دیوبندی مذاہب کے ساتھ منسلک ہیں'' (ہم اہل حدیث کیوں ہوئے ؟صفحہ ۳۸۳)

سن وفات

زبیر علی زئی صاحب لکھتے ہیں۔

''انور شاہ کشمیری دیوبندی متوفی ۱۳۵۲ھ'' (قیام رمضان صفحہ ۳۶)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط:۱۶

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۱)

حلیہ ولباس

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے فیروز پور (ہندوستان) کے ایک جلسہ کی کارگزاری بیان کی تو اس میں یہ بھی کہا۔

''عشاء کی نماز کے بعد جلسہ شروع ہونے کا پروگرام بنایا گیا تھا اسی جلسہ کے میدان میں نماز عصر کے بعد مجھے پہلی مرتبہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ کسی نے آواز دی وہ دیکھو شاہ جی گھوم رہے ہیں میں دوڑ کر گیا اور انتہائی شوق ومسرت کے ساتھ شاہ جی کو دیکھا۔ پورا قد، گھٹا ہوا جسم، سرخ وسفید رنگ، موٹی موٹی آنکھیں، سیاہ وسفید بالوں پر مشتمل داڑھی جو نہایت خوب صورتی سے چہرہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ کھدر کی سرخ رنگ کی قمیض، سر پر قدرے اونچی دیوار کی قراقلی ٹوپی جس سے ان کے پٹے باہر جھانک رہے تھے، پاؤں میں پشاوری چپل، ہاتھ میں کلہاڑی جس کا دستہ ان کی کمر کے برابر تھا اور خاکی رنگ کی ٹخنوں سے ذرا اونچی شلوار! وہ چل پھر کر جلسہ گاہ کا جائزہ لے رہے تھے... یہ اولین موقع تھا کہ میں شاہ جی کے دیدار سے بہرہ مند ہوا۔ وہ سر سے پاؤں تک مردانہ حُسن کے اوصاف سے متصف تھے اور اپنے اندر بڑی کشش رکھتے تھے۔ نظیری کا یہ شعر ان پر حرف بحرف صادق آتا تھا۔

زفرقِ تابقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

آج جب کہ یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، اس واقعہ پر باون برس کا طویل عرصہ بیت گزر چکا ہے مگر وہ منظر اب بھی آنکھوں کے سامنے ہے اور لیل ونہار کی بہت سی خوش گوار اور ناخوش گوار کروٹوں کے باوجود حافظے نے ان کے اس وقت کے حلیے اور ہیئتِ کذائی کا کوئی گوشہ فراموش نہیں کیا۔ ہر چیز کو نہایت احتیاط سے محفوظ کر رکھا ہے۔

بہرِ تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو وقت ِ نازکی جُنبش ترے ابرو میں تھی

مجلس احرار کے فیروز پور کے اس جلسے میں ہزاروں افراد کا مجمع تھا۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۰)

مقام ومرتبہ

حافظ ریاض احمد عاقب صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ یگانہ روزگار اور عبقری زمان تھے۔ شاہ صاحب ذہانت، فطانت، وسعتِ معلومات، خطابت، جرءت اور حاضر جوابی میں بے مثال تھے۔ (مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ ۱۱۳)

عاقب صاحب ہی لکھتے ہیں۔

''الغرض شاہ جی اپنے وقت کے خطباء، ادباء، دانشوروں، علم پرروں، شعور وآگہی کے پیکروں میں گوہر نایاب تھے اور ہر علمی وفکری مجلس میں رونقِ محفل، جانِ مجلس اور کاروان علم وادب وخطابت کے ہراول دستے کے میرِ کارواں اور سالارِ کارواں تھے۔ (مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ ۱۱۵)

مولانا غلام رسول مہر صاحب حضرت شاہ جی کے

بارے میں لکھتے ہیں۔
''مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے کیونکہ وہ بہت بڑے مسلمان تھے اول وآخر ظاہر وباطن مسلمان تھے۔ان کے وجود کی مادیت ومعنویت کا ذرہ ذرہ اسلامیت ہی کے مختلف پرتو تھے۔جن کی وجہ سے وہ عمر بھر ہر حلقے میں مقبول وہر دل عزیز رہے۔چنانچہ مرحوم سالک کی گفتگوؤں سے شاہ جی کے متعلق محبت وعقیدت سے استفادہ کے بعد وہ ''کالنقش فی الحجر '' ہوگئے۔چالیس سال کے لیل ونہار کا طویل زمانی دور گزر جانے کے بعد آج بھی وہ نقوش پہلے سے یکساں تاباں ودرخشاں نظر آتے ہیں۔حالانکہ مجبور کن حالات کی بے پناہ رفتار نے ان سے قرب ویکجائی کے مواقع یک قلم ختم کر دیئے تھے بلکہ لقاء وزیارت کی دولت بھی صرف اتفاق پر موقوف رہ گئی تھی۔سیاسی دائرے میں بارہا ایک فریق کے ساتھ ہوتے تو میرے فکر ونظر کا یہ تقاضہ ہوتا کہ دوسرے فریق کا ساتھ دیا جائے۔ظاہر ہے کہ ان حالات میں یکجائی کی نوبت بھی بہت کم آتی۔لیکن پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے ساتھ محبت وعقیدت میں کبھی سرمو فرق نہ آیا جس حد تک میرا اندازہ ہے ان کی شفقت ونوازش بھی بدستور قائم رہی۔دراصل یہ اختلاف کبھی نہ ہوا اور منزل مقصود ہمیشہ ایک رہی۔جب کبھی مل بیٹھنے کا موقعہ ملا شاہ جی کی گرم جوشیوں اور بہار آفرینیوں کے انہیں دل آویز کرشموں سے تمتع کیا جنہیں اتحاد وہم آہنگی کے اوقات میں ایک خاص دولت سمجھتا تھا۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۲)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حضرت شاہ جی کے متعلق لکھتے ہیں۔
''وہ غلامی کے دور میں پیدا ہوئے اور غلامی کے شر میں خیر کا پہلو یہ پنہاں تھا کہ اس خطہء ارض نے بڑے بڑے لوگوں کو جنم دیا جن میں شہرہء آفاق سیاست دان بھی تھے اور اونچے درجے کے مقرر وخطیب بھی، منجھے ہوئے اصحاب درس وتدریس بھی تھے اور عالی مرتبے کے مصنف ومؤلف بھی، پاکیزہ روش صوفیاء اتقیاء بھی تھے اہل تحقیق مناظر وناقد بھی یہ حضرات ایک خاص فضا اور ماحول کی پیداوار تھے۔اب ان اوصاف کے حامل لوگ کبھی نہیں پیدا ہوں گے۔وہ سانچے مدت ہوئی ٹوٹ گئے جن میں حضرات ڈھلے تھے اور وہ دور عرصہ ہوا ختم ہوگیا جس میں یہ بزرگ عالم وجود میں آئے تھے۔شاہ جی اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے ان لوگوں میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ صفِ اول میں جگہ پاتے تھے۔ان کی تقریر میں شیر کی گرج، خطابت میں دریا کی روانی اور تنقید میں تلوار کی کاٹ تھی۔لیکن اس ساتھ ہی ان میں ایک اور خصوصیت بھی تھی۔ان کی زبان کی جنبش میں پھولوں کی مہک اور گلاب کی خوشبو بھی رچی ہوئی تھی۔وہ انتہائی نرم گفتار بھی تھے اور بدرجہ غایت تیز کلام بھی۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۵۳)

توحید وسنت

بھٹی صاحب مذکورہ عبارت کے فوراً بعد لکھتے ہیں۔
''انگریزی حکومت کے خلاف لب کشائی کرتے تو زبان آگ اگلنے لگتی اور توحید وسنت کے موضوع پر وعظ کہتے تو لہجہ بدل جاتا اور نرمی اور ملائمت کا پیکرِ شیریں بن جاتے۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۵۳)

بھٹی صاحب حضرت شاہ جی کی ایک تقریر کے بارے

ناشپاتی کا درخت تین سو سال تک پھل دیتا ہے۔[حافظ محمد عمران، المسلم دواخانہ]

میں لکھتے ہیں۔

''ان کی تقریر متعدد مسائل پر مشتمل تھی... مسئلہ توحید کی وضاحت کی ،اقسام شرک کو موضوع بحث ٹھہرایا اور قرآن کی بہت سی آیات کی تلاوت کیں اور ان کا ترجمہ سنایا۔اس زمانے میں مجلس احرار نے حکومتِ الہیہ کا نعرہ بلند کر رکھا تھا شاہ جی نے اسے بھی منقح کیا ۔کئی گھنٹے تقریر جاری ہی ۔ادھر موذن نے فجر کی اذان شروع کی اور اللہ اکبر کہا،ادھر مقرر نے خاموشی اختیار کی اور (رات گیارہ بجے سے جاری) تقریر ختم ہوگئی ۔''(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۲)

جناب عتیق فکری صاحب لکھتے ہیں۔

''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت سے پورا پاک و ہند آشنا ہے،ان کی شعلہ بیانی اور قرآن پڑھنے کا انداز شاید ہی کسی کو نصیب ہو،فن خطابت کا یہ شہنشاہ اکثر ملتان آیا کرتا اور توحید و رسالت پر گھنٹوں تقریر کرتا اور دنیا کو مسحور کرتا آج کان اس پُر تاثیر شعلہ بیانی کو ترستے ہیں ۔(اردو شرح بلوغ المرام ،مولانا عبدالتواب ملتانی :صاحبِ ترجمہ کی شخصیت کی ایک نظر صفحہ ۱۷)

یہ عبارت حافظ ریاض عاقب صاحب کی کتاب ''مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ ۲۲۶'' پر بھی موجود ہے۔

مولانا حنیف ندوی صاحب حضرت شاہ جی کے متعلق لکھتے ہیں۔

'' توحید کی پُر جوش اشاعت اور سنت کی ترویج میں جس والہانہ انداز سے انہوں نے حصہ لیا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔عشق رسول کی نزاکتوں اور توحید کے اسرار و رموز کو اس کامیابی سے بیان کرتے تھے جو کہ صرف انہی کا حصہ تھا۔'' (ارمغانِ حنیف صفحہ ۱۸۵)

خلوص اور رضائے الٰہی

مولانا غلام رسول مہر صاحب حضرت شاہ جی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''وہ...اول و آخر،ظاہر و باطن مسلمان تھے...شاہ جی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہ ان کے چہرے پر منعکس رہتا ہے گویا ان کا چہرہ ایک صاف و شفاف اور مجلا آئینہ ہے جس میں ہم ان کے باطن کی ہو بہو کیفیت دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں ۔''(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۳)

مہر صاحب ہی لکھتے ہیں۔

''ان کا مقصد ایک تھا وہ یہ کہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔اس رضا اور خوشنودی کے طلب گار اپنے کارناموں کی پاکیزہ دولت کو دنیوی صلوں کی تمنا سے آلودہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے ۔''(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۴)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ جی جیسا بے خوف مسلسل کئی گھنٹے بولنے والا، اپنے نقطۂ فکر کے اظہار میں مخلص اور زوردار خطیب برصغیر نے پیدا نہیں کیا۔وہ ایک خاص طرز و اداء کے واحد مقرر تھے جو اپنی تمام خوبیاں اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ان کی خطیبانہ اداؤں کو بعض لوگوں نے اپنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۵)

بھٹی صاحب ہی لکھتے ہیں۔

''وہ سحر طراز خطیب اور شیوہ بیان مقرر تھے جو بات کرتے اخلاص میں ڈوب کر کرتے اور وہ بات سامعین کے دل کی گہرائیوں میں اترتی اور اپنی جگہ بناتی چلی جاتی۔''(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۵۳)

اگر تو دوسروں کو کسی کام سے روکنا چاہتا ہے تو ابتدا اپنے سے کر۔[حافظ عبدالرحمن، محلہ عباسیہ]

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین... قسط: ۱۷

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۲)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

جامعیت

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

"جن لوگوں نے شاہ صاحب کی تقریروں اور خطبوں سے براہِ راست استفادہ نہیں کیا ان کے سامنے ان کے خطیبانہ کمالات کا نقشہ کھینچنا مشکل ہے ہاں! اگر دریا کی روانی کا کوئی تصور آپ کے ذہن میں پایا جاتا ہے۔ پھولوں کی نزاکت اور مہک سے آپ آشنا ہیں۔ آگ کے شعلوں کو آپ نے دیکھا ہے اور کسی ایسے فن کار کو سُنا ہے جو نغمتوں کے ساتھ ساتھ اثر وسحر اور کیف ووجد کی کیفیات کو بھی سامعین کے دِلوں میں اتار سکتا ہو، تو آپ کو شاہ صاحب کی جامعیتِ تقریر کا کچھ کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ مگر ٹھہریے! ابھی نقشے کے تمام رخ آپ کے سامنے نہیں آپائے۔ شاہ صاحب کی تقریروں میں شیر کی گرج، شاعر کے احساسات اور صوفی اور عارف کے اخلاص وسرمستیوں کو بھی شامل کیجیے، جب کہیں جا کر ان کی خطیبانہ خصوصیات فہم وفکر کی گرفت میں آسکیں گی۔"

(ارمغان حنیف صفحہ ۱۸۳)

اسلامی معیارِ عظمت

مولانا غلام رسول مہر صاحب مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

"شاہ جی بہر حال انسان تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ ان کے ساتھ بھی زندگی کی وہ تمام ضرورتیں وابستہ تھیں جن سے ہر انسان محصور رہتا ہے لیکن صلے کی طلب میں کیوں وہ ہزار لاکھوں سے الگ ہوگئے۔ اس لیے جو کچھ انہوں نے کیا وہ اسلامی زندگی کا ایک اہم فرض تھا اور اہل حق کے نزدیک فرض اسی لیے ہوتا ہے کہ اسے بے چون چُراں ادا کیا جائے۔ اگرچہ اس راہ میں کتنی ہی تکلیفوں، مشقتوں، صعوبتوں اور قربانیوں سے سابقہ پڑے۔ یہاں تک جان بھی دے دینے کی نوبت آجائے تو ایک لمحے کے لیے ادائے فرض سے روگردانی گوارا نہ کی جائے۔ قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوہ حسنہ ہمیں کیا بتاتا ہے کہ یہ قوم کو دعوت ہدایت دینے کے لیے اُٹھے تو فرمایا "ہم تم سے کچھ اجر نہیں مانگتے، ہمارا اجر تو اللہ کے پاس ہے جس ہمیں پیدا کیا"۔ جن بزرگ ہستیوں نے اسوہ حسنہ کی پیروی کو اپنا شعار بنایا وہ بھی ہم قوموں یا ہم رفیقوں سے کبھی کسی اجر کے روادار نہ ہوئے۔ انہوں نے جو کچھ کیا فرض سمجھ کر کیا۔ ان کا مقصد ایک تھا وہ یہ کہ خدا کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ اس رضا اور خوشنودی کے طلب گار اپنے کارناموں کی پاکیزہ دولت کو دینوی صلوں کی تمنا سے آلودہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتے۔ کاش ہم لوگ سمجھ سکیں اور اندازہ کرسکیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا تعلق اسی حقانی گروہ سے ہے۔ یہی انسانی عظمت وبرتری کی حقیقی اساس ہے۔ افسوس کہ اس مقدس گروہ کے افراد آہستہ آہستہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی جگہ لینے والے یہاں پیدا نہ ہوئے۔ شاہ جی اس وجہ سے بھی حد درجہ عزیز ہیں کہ اس گروہ سے متعلق ہیں اور اس وجہ سے بھی قابل صد احترام ہیں کہ جماعتی اور قومی معاملات کے سلسلے میں صحیح اسلامی معیار کے آخری نمائندوں میں سے ہیں۔"

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۴)

دولتِ فقر، درویشی

مہر صاحب مذکورہ عبارت کے متصل بعد ''دولتِ فقر اور سعادتِ اطمینان'' عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں۔

''یہی لوگ ہیں جن کے کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ جس طرف قدم بڑھے گراں قدر عملی جواہرات کے انبار فراہم ہو گئے۔ خود ان پر نظر پڑی تو فقر و درویشی پر اس طرح مطمئن ملے کہ با اقتدار بادشاہ اپنے تختِ سلطنت پر اس قدر مسرور مطمئن نہ ہوں گے۔ سچ ہے۔

گر دولت بود کہ بہ درویش دادہ اند
باید گریستن جم و کے راہ بہ تخت خویش

جو قلبِ مطمئن اللہ تعالیٰ نے شاہ جی کو عطا کیا تھا وہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔ اطمینانِ قلب، دولتِ اقتدار، فرمانروائی یا وسعتِ املاک و احوال پر منحصر نہیں۔ صرف اللہ کے ذکر اور اس کے فضائل و عطا پر موقوف ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ'' (ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت ملتان: امیرِ شریعت نمبر صفحہ ۴۸۴)

خداداد قابلیتیں

مولانا اسحاق بھٹی صاحب شاہ جی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''اگر وہ اپنی خداداد قابلیتوں کی بناء پر پیری مریدی کی راہ اپناتے تو لاکھوں ہاتھ ان کی بیعت کے لیے بڑھتے اور انسانوں کے گروہ گروہ کے قدم بوسی کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔ اگر دنیوی مال و منال کی طرف عنان توجہ مبذول کرتے تو اپنی جاذبِ قلب و نظر شخصیت کی بناء پر عوامی محبوبیت کا مرکز قرار پاتے اور سیم و زر کے اونچے اونچے ڈھیر ان کے سامنے ہوتے۔'' (ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت ملتان: امیرِ شریعت نمبر صفحہ ۵۵۴)

صاحبِ دل

بھٹی صاحب حضرت شاہ جی کے متعلق مزید لکھتے ہیں۔

''عمل و حرکت کے اعتبار سے بھرپور زندگی بسر کی۔ وہ ایسا بے تاب اور مضطرب دِل لے کر آئے جو اسلام اور مسلمانوں کی ہر مصیبت کے وقت بے قرار ہو جاتا تھا۔ ان کی آواز اتنی پُر درد اور پُرسوز تھی کہ برصغیر اور عالمِ اسلام کے ہر سانحہ میں بے ساختہ بلند ہو جاتی تھی۔ ظلم کے خلاف ان کی صدا اس درجہ مؤثر تھی کہ ایک آن میں صورِ اسرافیل بن جاتی تھی۔ ان کی آنکھیں اسلام اور اہلِ اسلام کی ہر اذیت پر اشک بار ہو جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی ہلکی سے ہلکی تکلیف بھی نہ وہ خود برداشت کر سکتے تھے اور نہ یہ گوارہ کرتے تھے کہ کوئی برداشت کرے۔ ناممکن تھا کہ وہ مظلوم کو ظلم و ستم کے شکنجے میں جکڑا ہوا دیکھیں اور خاموش ہو جائیں۔ وہ ملک و قوم کی مصیبت کے وقت خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے تھے۔'' (ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت ملتان: امیرِ شریعت نمبر صفحہ ۵۵۷)

مولانا غلام رسول مہر صاحب حضرت شاہ جی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحبِ دل بنایا تھا اور دل ایسی نعمت ہے کہ ہزاروں جانیں بھی اس کی قیمت نہیں بن سکتیں۔ عرفی نے بالکل درست کہا تھا۔

ہزار جان گرامی بہ نرخ جو نہ خرند
بہ عالمے کہ درد دل بہ کار می آید

آخر جان کی قدر و قیمت بھی تو دل کے ساتھ ہے۔ دل نہ ہو تو جان سے کون سا قابلِ ذکر کام انجام پا سکتا ہے دنیا میں جتنے واجب احترام کارنامے ظہور پزیر ہوئے وہ دل ہی کی کارفرمائی کا کرشمہ تھے۔ آج کتنے افراد ہیں جو اس جنسِ گراں مایہ کے قدر شناس ہوں۔ فِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ۔'' (ماہنامہ نقیب ختمِ نبوت ملتان: امیرِ شریعت نمبر صفحہ ۴۸۵)

خاموشی افضل ہے بُرے کلام سے اور خاموش رہنا کسی کو تکلیف دینے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ [بنتِ نذیر بھٹی، موضع کنجگی والا]

اہلِ حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین

قسط:۱۸

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

شاہ جی کہنے میں تقلید

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''بڑے چھوٹے تمام احراری شاہ جی کی زندگی میں بھی ''شاہ جی'' کہتے تھے، اب بھی شاہ جی کہتے ہیں۔ نہ کوئی شاہ صاحب کہتا تھا اور نہ فرطِ احترام سے ان کا نام لیتا تھا۔ جب بھی کوئی احراری ''شاہ جی'' کہے تو سمجھ لیجئے اس سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری مراد ہیں۔ یہاں یہ یاد رہے کہ میرے مسلک کی رو سے ''تقلید'' جائز نہیں لیکن میں اس سلسلے میں مقلد ہوں، عجیب بات یہ کہ مقلد کسی امام فقہ کا نہیں، احراریوں کا۔! جن کے نقطہ نظر سے مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ مگر شاہ جی کا ذکر کرنے لگا ہوں تو مجبور ہوں کہ ان کی ''تقلید کا قلادہ'' اگر اپنے فکر وخیال کے دامن سے وابستہ نہیں کر سکتا اور اپنی گردن میں نہیں ڈال سکتا تو قلم کی گردن میں ضرور ڈال دوں۔ چنانچہ ان کی تقلید کرتے ہوئے میں نے ہر جگہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری یا شاہ صاحب کی بجائے ''شاہ جی'' لکھا ہے۔''

(ماہنامہ نقیب ختم نبوت، امیرِ شریعت نمبر ۵۴۱)

اردو زبان میں مہارت

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب حضرت شاہ جیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اردو بولتے تو معلوم ہوتا تھا کہ غالب اور داغ نے شاعری کو چھوڑ کر خطابت اختیار کر لی ہے اور پنجابی میں تقریر کرتے تھے تو محسوس ہوتا تھا کہ چناب اور راوی نے اپنی روانیاں انہیں بخش دی ہیں۔ آہ! آج ہم ایسی جامع صفات شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔'' (ارمغانِ حنیف صفحہ ۱۸۶)

نادر شخصیت

مولانا غلام رسول مہر صاحب مذکورہ عنوان قائم کر کے حضرت شاہ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔

''ان کی سوانح حیات مرتب کرنے کی میں جرأت نہیں کر سکتا اس کے لیے بدرجہا بہتر نظر مراتب دقیقہ رس قوت موازنہ اور انتہائی موثر اور دلآویز اسلوب تحریر درکار ہے۔ ان کے فضائل ومحامد بھی ایک سرسری مقالہ کے تنگ ظرف میں نہیں سما سکتے۔ ان کے لیے وسیع دائرہ بیان ونگارش کی ضرورت ہے البتہ ان کی سیرت کی چند دلکش جھلکیاں دیکھنا چاہتا ہوں، صرف چند جھلکیاں۔ شاید اس طرح اندازہ کیا جا سکے کہ وہ کتنی گراں قدر، عالی مرتبت اور نادر الاوصاف شخصیت کے حامل تھے۔ اور اسلامیت وانسانیت کی شکل میں ہمارے وطنِ عزیز کی وہ کتنی بیش بہا دولت ہیں وہ میدان عمل میں مصروف مجاہدات تھے تو لوگ ان کی زیارت کو باعثِ صد سعادت سمجھتے تھے۔ انہوں نے لاکھوں کے مجمعوں کو اپنے دل آویز خطبات سے سراپا عمل وحرکت بنا دیا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ حریت واسلامیت کے جانبازانہ جہاد میں گزار دیا۔ عمر کا خاصا بڑا جز قید وبند میں گزارا جو صلاحیتیں قدرت نے انہیں عطا کی تھیں وہ سب بے دریغ اسی راہ میں صرف کر دیں، اپنی ذات کے لیے کچھ بھی نہ کیا۔ عمر بھر فقر سرمایہ فخر رہا۔ فقر میں ان کی سب سے زیادہ قیمتی خاندانی میراث تھی اور آج بھی ان کے فقر کا طرہ آسمان بوس ہے کہ وہ عرفی کے اس شعر کی زندہ مثال ہیں۔

باخون صد شہید مقابل نہادہ اند
عمر کہ ماذ آتش افسانہ سوختیم

تاہم ہمارے دور میں کتنی صاحب حال نگاہیں اور کتنے صاحبِ دل ہیں جو شاہ جی کے اس مقام کا موازنہ کر سکیں۔ خود ان کی بے نیازی اور سیر چشمی کا یہ عالم تھا کہ کامل استحقاق کے باوجود ایسی کوئی چیز ان کی زبان پر تو کیا آتی یقین ہے کہ ان کے دل میں کبھی نہ آئی ہوگی۔'' (ماہنامہ نقیب ختم نبوت، امیرِ شریعت نمبر ۴۸۳)

مذاق کی کثرت اکثر دشمنی کی وجہ بنتی ہے۔ (محمد سجاد، متعلم فتحیہ)

اہلحدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین قسط:۱۹

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۴)

تقریر وخطابت

حافظ ریاض احمد عاقب صاحب لکھتے ہیں۔

''حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ یگانہ روزگار اور عبقری زمان تھے۔شاہ صاحب ذہانت ،فطانت ،وسعتِ معلومات ،خطابت ،جرأت اور حاضر جوابی میں بے مثال تھے بقول شورش کشمیری: شاہ جی اور خطابت یارِ غار تھے۔پچھلی چار دہائیوں میں اردو زبان نے اتنا بڑا خطیب پیدا نہیں کیا کہ جہاں بڑے بڑے زبان آوروں کی متاعِ سخن ختم ہوتی ہے وہاں سے ان کی خطابت شروع ہوتی'' (مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ۱۱۳)

عاقب صاحب مستری محمد انور صاحب کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ۔

''شاہ صاحب خطابت میں بے مثال تھے'' (مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ۱۱۳)

عاقب صاحب مزید لکھتے ہیں۔

''الغرض شاہ جی اپنے وقت کے خطباء ،ادباء ،دانشوروں ،علم پروروں ،شعور وآگہی کے پیکروں میں گوہر نایاب تھے اور ہر علمی وفکری مجلس میں رونقِ محفل ،جانِ مجلس اور کاروانِ علم وادب وخطابت کے ہراول دستہ کے میر کارواں اور سالارِ کارواں تھے۔انہیں ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے اور موقع محل کی مناسبت سے ان کا استعمال خوب جانتے تھے۔....مولائے کریم اس مردِ حُر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت عنایت کرے۔آمین یا رب العالمین'' (مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ۱۱۵)

مولانا عتیق فکری صاحب لکھتے ہیں۔

''امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ کی شخصیت سے پورا پاک وہند آشنا ہے۔ان کی شعلہ بیانی اور قرآن پڑھنے کا انداز شاید کسی کو نصیب ہو۔فنِ خطابت کا یہ شہنشاہ اکثر ملتان آیا کرتا اور توحید ورسالت پر گھنٹوں تقریر کرتا اور دنیا کو مسحور کرتا۔آج کان اس پُر تاثیر شعلہ بیانی کو ترستے ہیں...شاہ جی کی تقریر سننے کو ہر مسلک کے لوگ جاتے تھے۔صبح کو مولانا (عبدالتواب ملتانی صاحب) کے پاس سلفی مسلک کے لوگ آئے اور تقریر کی بڑی تعریف کی۔مولانا نے پوچھا عنوان کیا تھا۔انہوں نے کہا تقریر رسالت پر تھی'' (شرح بلوغ المرام، حالاتِ مصنف صفحہ۱۸)

فکری صاحب کا مذکورہ تاثر حافظ ریاض احمد عاقب صاحب نے بھی نقل کیا ہے۔(مولانا عبدالتواب محدث ملتانی صفحہ۲۲۶)

یہی تاثر محمد تنزیل صدیقی صاحب کی کتاب ''اصحاب علم وفضل صفحہ ۱۲۹'' پر بھی منقول ہے۔

مولانا محمد رفیق اثری صاحب لکھتے ہیں۔

''سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی خطابت سے کون واقف نہیں'' (مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری صفحہ ۲۶۵)

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب لکھتے ہیں۔

''تحریکِ خلافت واحرار کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے

دولت اپنے ساتھ غرور اور تکبر لاتی ہے اور جاتے ہوئے مسکینی دے جاتی ہے۔(عمران لاڑ، متعلم فتحیہ)

بڑے بڑے خطیب پیدا کیے۔اس میں اکابر تو کیا عام کارکن بھی ،خطیبانہ اوصاف کے مالک تھے مولانا ابوالکلام ،علی برادران ،ڈاکٹر انصاری ،حکیم اجمل خان ،مولانا ظفر علی خان تو خلافت سے قبل ہی روشناسِ خلق ہو چکے تھے ،اب ان کے مقابلے میں نسبتاً جوان اور نوجوان خطیب چمکے۔ان میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت کا تذکرہ تو صدیوں کے پیمانہ سے ناپا جاسکتا ہے مگر ان کے رفقاء میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ...قاضی احسان شجاع آبادی ...اور بالکل نوجوانوں میں شورش کشمیری'' (مولانا داود غزنوی صفحہ ۴۸)

ملک حسن علی بی اے صاحب لکھتے ہیں:

''ان ہی دنوں موچی دروازہ لاہور کے باہر ہندو مسلمانوں کا ایک ملاجلا احتجاجی جلسہ ہوا۔لالہ گوردنداس اس ایک ہندو لیڈر نے تقریر۔کچھ اور تقریریں ہوئیں۔رات کا سماں تھا اور شاید ۱۹۲۰ کا ستمبر اکتوبر کا مہینہ تھا کہ مولانا داود غزنوی اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ایک سیاسی سٹیج پر نمودار ہوئے۔اس اجلاس میں سب سے آخری تقریریں انہی دونوں حضرات نے کیں دونوں نوجوان ،وجیہ صورت ،سحر طراز مقرر اور انقلاب انگیز خطیب تھے۔اس پہلی صحبت میں ہی دونوں کے زورِ بیان اور نیرنگی گفتار نے پبلک کا دل موہ لیا۔ان کی زبانوں میں دریا کی روانی ،جلال میں تلواروں کی کاٹ اور جمال میں صبا کی لطافت پائی جاتی تھی۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامنِ دل مے کشید کہ جا اینجا ست

اس کے بعد لاہور کے ہر سیاسی جلسے میں دونوں اکٹھے شمولیت کرتے'' (داود غزنوی)

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ صاحب کے انتقال سے ملک ایک سحر طراز خطیب اور شیوا بیان مقرر سے محروم ہوگیا ہے بہ حیثیت فن کے خطابت اور تقریروں کا چونکہ ایک خاص موسم ہوتا ہے جو اپنی تمام بہار آفرینیوں کے ساتھ گزر چکا ،اس لیے اگر یہ کہہ جائے کہ مستقبل بعید میں بھی کسی ایسے شعلہ نوا خطیب کے پیدا ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی تو اس میں قطعی مبالغہ وغلو کی آمیزش پائی نہیں جاتی۔وہ عظیم شخص جس کی مؤثر اور دل آویز تقریروں سے آج سے پچیس تیس سال پہلے پورا ہندوستان گونج رہا تھا ،آہ ! آج آسودۂ لحد ہے۔اب وہ بلبلِ ہزار داستان جس کی چہک سے چمن زارِ وطن کا پتا پتا اور بوٹا بوٹا گویا تھا ،آج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا ہے۔'' (ارمغانِ حنیف صفحہ ۱۸۳)

اس کے بعد ندوی صاحب نے حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کی خطابت کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے ہم کچھ صفحات پہلے'' جامعیت ''عنوان کے تحت نقل کر چکے ہیں۔

مولانا داود غزنوی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ جی میں جذبات کی کمی نہ تھی۔تقریر کی قابلیت ان میں قدرت نے وَدیعت کر رکھی تھی۔چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں شاہ جی خلافت کے موضوع اور حالاتِ حاضرہ کے بہترین مقرر بن گئے۔پھر تو ان کی تقریروں کا یہ عالم ہوگیا کہ نہ صرف امرتسر بلکہ پنجاب سے باہر سارے ہندوستان میں وہ اپنی ایمان پرور تقریروں سے لوگوں کے جذبہ حریت اور ایمان کو گرماتے رہے۔'' (نقیب ختم نبوۃ ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۱۱۲)

مولانا غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ جی قید کی مدت پوری کر کے رہا ہوئے تو کئی سال

تک سیاسی دائرے میں ہم نے اکٹھے کام کیا اور خاصا وقت یکجائی میں گزرتا رہا۔ میں نے ان کی وہ تقریریں تو زیادہ نہ سنیں جن کی شہرت سے پاک و ہند کی فضا گونج رہی تھی اور خطابت میں انہیں قدرت کا ایک خاص عطیہ سمجھا جاتا تھا.... خطابت شاہ جی کے خداداد جوہروں میں سے صرف ایک جوہر تھا۔ اگرچہ زمانہ ان سے خطیب ہی کی حیثیت سے روشناس تھا اور اب بھی ان کا ذکر کرتے ہوئے خطابت ہی کو مرکزی وصف بنا دیا جاتا ہے، مجھے وہ اپنے دور کے بہت بڑے انسان نظر آئے کیونکہ وہ بہت بڑے مسلمان تھے اول و آخر، ظاہر و باطن مسلمان تھے ....'' (نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۲)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حضرت شاہ جیؒ کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

'' ایسے معلوم ہوتا تھا کہ دور تک پھیلا ہوا انسانوں کا یہ ہجوم شاہ جی کی مٹھی میں ہے ان کی پُر جوش خطابت نے ان کو پوری طرح مسحور کر دیا ہے۔ انہوں نے بعض جماعتوں کے قائدین کی حکمتِ عملی کو بھی موضوع بحث بنایا اور اسلام سے متعلق ان کے قول و فعل کے تضادات کا جائزہ لیا۔ پھر اسلامی تعلیمات کی خصوصیات کا ذکر کیا میں نے دیکھا کہ تقریر کے دوران شاہ جی ننگے سر تھے ۔ نہ سر پر ٹوپی تھی نہ کپڑا۔ ان کے سفید گھنگھریالے بال عجب بہار دکھا رہے تھے۔ سنا ہے شاہ جی نے اس وقت سے ٹوپی اتار دی تھی جب انہیں پتا چلا تھا کہ جالندھر ریلوے اسٹیشن پر مولانا حسین احمد مدنی کی پگڑی اُچھالی گئی ہے۔'' (نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۴)

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔ ...

'' شاہ جی جیسا بے خوف مسلسل کئی کئی گھنٹے بولنے والا ، اپنے نقطۂ فکر کے اظہار میں مخلص اور زوردار خطیب برصغیر نے پیدا نہیں کیا۔ وہ ایک خاص طرز و اداء کے واحد مقرر تھے جو اپنی تمام خوبیاں اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ان کی خطیبانہ اداؤں کو بعض لوگوں نے اپنانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

یہ رُتبہ بلند ملا، جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

۱۹۴۶ء میں جب کینٹ مشن ہندوستان آیا تھا، شاہ جی دلی گئے اور ایک رات جامع مسجد کے سامنے والے میدان میں بہت بڑے اجتماع کو خطاب کیا۔ ان کی تقریر ہو رہی تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو، کینٹ مشن کے ایک رکن مسٹر سٹیفورڈ کرپس کو وہاں لے گئے کرپس چند منٹ جلسہ گاہ کے ایک کونے میں کھڑا ان کی تقریر سنتا رہا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکتا تھا لیکن مقرر کی حرکات و سکنات اور جوش و جذبہ و حاضرین کی تاثر پذیری کا اندازہ کر کے اس نے جواہر لال نہرو سے کہا کہ جو ملک اس قسم کے سیاسی مقرر اور خطیب رکھتا ہو وہ آخر کب تک غلام رہ سکتا ہے پھر اس نے کہا: یہ شخص شکل و صورت کے اعتبار سے ''فادر'' معلوم ہوتا ہے'' (نقیب ختم نبوت ملتان: امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۵)

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

'' اِسی سال (۱۹۴۷ء) کے آخر یا ۱۹۴۸ء میں لائل پور (فیصل آباد) میں مجلس احرار کا جلسہ ہوا ۔ اس جلسے کا اہتمام مولانا عبید اللہ احرار نے (جو فیروز پور سے لائل پور جا بسے تھے) مولانا تاج محمود اور دیگر احرار دوستوں نے کیا تھا۔ میرے گاؤں کے بہت سے لوگ جلسہ گئے ، میں بھی گیا۔ رات کو اس جلسے میں شاہ جی نے بھی تقریر

کی اور شورش کشمیری نے بھی۔'' (نقیبِ ختمِ نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۵)

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''کوئی زمانہ تھا کہ لاہور میں یا کسی اور جگہ اعلان ہوتا کہ شاہ جی رات کو دس بجے تقریر کریں گے تو لوگ پانچ بجے ہی رات کا کھانا اور پانی لے کر جلسہ گاہ پہنچ آتے اور فجر کی اذان تک ان کی تقریر سے محظوظ ہوتے رہتے۔'' (نقیبِ ختمِ نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۶)

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''۲۵، ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء کو لاہور میں دلی دروازے کے باہر تحفظ ختم نبوۃ کانفرنس ہوئی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں دوپہر کے بعد شاہ جی نے تقریر کی جیل سے رہائی کے بعد لاہور میں ان کی پہلی تقریر تھی جو تین گھنٹے جاری رہی۔ بہت بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے عقیدہ ختمِ نبوۃ اور تحریک تحفظ ختمِ نبوت کی وضاحت کی۔ لیکن اب ضعف ونقاہت نے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا وہ مسلسل چالیس بیالیس برس تک لوگوں کے جذبات واحساسات کو الفاظ وحروف کے قالب میں ڈھالتے رہے تھے مگر اب ان سے ان کو پُر تاثیر جملوں اور نوع بنوع فقروں کا ذخیرہ میسر آتا تھا، نہ کوئی سیاسی طاقت ان کے مدمقابل رہی تھی جس پر تنقید کرتے ہوئے وہ نئے سے نئے اسلوب کلام او مؤثر ترین اندازِ بیان سے حاضرین کو تڑپاتے اور گرماتے تھے۔ اگرچہ ان کا لہجہ پژمردہ ہو چکا تھا اور زور خطابت ماند پڑ گیا تھا تاہم جذبات وجوش میں تلاطم بدستور موجود تھا۔'' (نقیبِ ختمِ نبوت ملتان :امیر شریعت نمبر صفحہ ۵۴۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مال ودولت

بنت عبدالرشید، جامعہ رشیدیہ للبنات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر انسان کے پاس ایک وادی سونے کی ہو وہ اس پہ قناعت نہیں کرے گا بلکہ چاہے گا کہ اس کے پاس دو وادیاں ہوں اس کا منہ تو قبر کی مٹی بھرے گی اور اللہ تعالی اس پر رجوع فرماتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے (یعنی توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے)

فوائد مسائل

۱۔ اس میں انسان کی حرص اور مال سے اس کی شدید محبت کا ذکر ہے جس سے صرف وہی بچ سکتا ہے جو ایمان میں کامل ہو۔

۲۔ دنیا کی رنگینیاں نہایت پُر فریب ہیں اور انسان کی تمنائیں زندگی کی حدود سے تجاوز کر جاتی ہیں انسان کے پاس مال وزر کتنا بھی زیادہ ہو اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور طلبِ کثرت کی یہ بیماری انسان کو حیات جاودانی سے غافل کر دیتی ہے اللہ کی توفیق شامل حال نہ ہو تو انسان اس فتنے سے محفوظ نہیں ہو سکتا۔

دنیا کے تمام فسادات کی بنیاد پیٹ اور شرم گاہ ہے انسان کا پیٹ دنیا میں بھرنا مشکل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آدمی کے پیٹ سے بڑا کوئی برتن نہیں بھرتا آدمی کو تو چند لقمے کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہے اور اگر لامحالہ زیادہ کھانا ہی چاہے تو کھانے کے لیے ایک تہائی، پینے کے لیے تہائی اور ایک تہائی سانس کے لیے رکھ لے۔

موت سے محبت کرو، زندگی عطا کی جائے گی۔ (بنتِ اسلم، جامعہ رشیدیہ للبنات)

قسط: ۲۰

اہلِ حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۵)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مجلس احرار کے فیروز پور کے اس جلسہ میں ہزاروں افراد کا مجمع تھا۔ شہر اور ضلع کے قصبات و دیہات سے کثیر تعداد میں لوگ احرار مقرروں کی تقریریں سننے آئے تھے۔ شہر سے جانب مغرب چار میل کے فاصلے پر دریائے ستلج کا حسینی والا ہیڈ عبور کرتے ہی لاہور کا ضلع شروع ہو جاتا ہے جو اب ضلع قصور کہلاتا ہے، اس نواح کے بہت سے لوگ شریک جلسہ ہوئے تھے اور وسیع پنڈال میں ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر دکھائی دیتے تھے... عشاء کی نماز کے کم وبیش ڈیڑھ گھنٹے بعد ایک اچھے خاصے مجمع کے ساتھ شاہ جی جلسہ گاہ میں داخل ہوئے۔ امیر شریعت زندہ باد، مجلس احرار زندہ باد اور نعرہ تکبیر سے فضا گونجنے لگی۔ سٹیج پر بیٹھے تمام اکابر ایکدم کھڑے ہو گئے۔ سٹیج اتنا اونچا تھا کہ پانچ چھ سیڑھیاں چڑھ کر اس کے اوپر جانا پڑتا تھا۔ شاہ جی نے سٹیج پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور پھر ایک کرسی پر جو خاص طور پر ان کے لیے رکھی گئی تھی، تشریف فرما ہوئے۔ میرے خیال میں رات کے گیارہ بجے کے لگ بھگ وہ تقریر کے لیے مائک پر آئے اور پھر نعرے بلند ہونے لگے۔ ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے نعروں کا سلسلہ بند کرایا اور ایک اندازِ خاص سے دائیں بائیں دیکھ کر مائک کو ذرا اپنے قریب کیا اور خطبہ مسنونہ کے الفاظ سامعین کے پردہ سماع سے ٹکرانے لگے نہایت دل کش اور رسیلی آواز خطبے کے مضمون سے جب آواز کا زیر و بم ہم آہنگ ہوتا تھا تو لوگ جھوم جھوم جاتے تھے پھر جب درود شریف پڑھنا شروع کیا اور اللھم صلی علی محمد و علی آل محمد کے الفاظ ان کی زبان سے ادا ہوئے تو اس میں کچھ اور ہی لطف پنہاں تھا۔ اس وقت عقیدت وانکسار کے تمام لوازم ان کی ذات اور زبان میں جمع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد جب آیات قرآن کی تلاوت کا آغاز ہوا تو ساکت وصامت فضا میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیات براہِ راست آسمان سے نازل ہو رہی ہیں سبحان اللہ! ان اوصاف کا حامل شخص اب کہاں پیدا ہوگا۔'' (نقیبِ ختم نبوۃ اشاعتِ خاص صفحہ ۵۴۲)

☆... بھٹی صاحب مذکورہ جلسہ کی کارگزاری بیان کرنے بعد لکھتے ہیں۔

''اس سے تقریباً تیرہ مہینے بعد ۱۹۳۸ء کے آخر میں دلی میں شاہ جی کی تقریر سننے کا شرف حاصل ہوا۔ جن حضرات کو دلی جانے اور اس شہر کو دیکھنے کا موقع ملا ہے اور وہاں کی جامع مسجد بھی دیکھی ہے، میں یہاں ان کو جلسے کا محلِ وقوع بتانے کی کوشش کروں گا۔ دلی کی جامع مسجد (جسے شاہ جہانی مسجد کہا جاتا ہے) کے بڑے دروازے کے سامنے بہت بڑا میدان ہے، اسی میدان میں ہرے بھرے کا مزار ہے، یہیں سرمد کی قبر، مولانا شوکت علی کا مدفن اور مولانا ابوالکلام آزاد کی آخری آرام گاہ ہے۔ میدان کے اختتام پر لال قلعے کا دروازہ ہے اور یہ وہی قلعہ ہے جو مغل شہنشاہ شہاب الدین محمد شاہ جہان نے تعمیر کرایا تھا۔ قلعے کی فصیل کے ساتھ ایک خاصی چوڑی سڑک ہے جس پر بے شمار گاڑیاں چلتی ہیں

ارادہ کا پکا شخص دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ [محمد نذیر: درجہ خامسہ فتحیہ]

جو لوگوں کو مختلف مقامات پر پہنچاتی ہیں۔ جامع مسجد کے جنوب میں اردو بازار ہے۔

میں دلی میں شاہ جی کے جس جلسہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں ،اس کا سٹیج اردو بازار کے قریب تھا اور بازار مقرر کی پشت کی جانب تھا۔ان کے بائیں جانب جامع مسجد اور دائیں جانب لال قلعہ تھا۔ان کے سامنے وسیع میدان میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع تھا۔یہ جلسہ جمعیت علمائے ہند کے زیرِ اہتمام تھا شاہ جی کی تقریر عشاء کے بعد شروع ہوئی تھی۔تقریر میں سیاسات بھی تھیں اور مذہبیات بھی۔!لوگ اس طرح خاموش اور ہمہ تن گوش بیٹھے تھے کہ: کَاَنَّ علٰی رؤسھم الطیور جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جونہی سر ہلا پرندے اڑے ...شاہ جی کہہ رہے تھے،آزادی کا مطالبہ کرنا اور اپنے ملک کو ظالم کے پنجے سے چھڑانے کے لیے عمل وحرکت کے میدان میں اترنا مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے ۔مطالبہءآزادی کے مقابلہ میں یہ پکڑ دھکڑ،یہ قید وبند ،یہ سزائیں،یہ پھانسیاں میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔مجھے آزادی سب چیزوں سے عزیز ہے۔دِلی والو!جس صوت میں آزادی ملے اور جن مشکلات سے گزر کر ملے ،اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا میری زندگی کا نصب العین ہے...اس کے بعد جب انہوں نے دونوں ہاتھ ملا کر اور ہتھیلیاں اس انداز سے حاضرین کی طرف بڑھا کر جیسے پانی سے گزرنے کا راستہ بنا رہے ہوں، پنجابی کا یہ شعر پڑھا۔

جے ہیر سمندروں پار ہووے
بُکاں نال سمندر نوں چھٹ سُٹاں

تو مجمع کے سکوت کا بند ٹوٹ گیا بیٹھے ہوئے لوگ دادو تحسین کے انداز میں اُچھلنے لگے، جبہ دستار میں ملبوس علمائے کرام تڑپ اُٹھے ،واہ واہ کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور ’’امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری زندہ باد ‘‘ کے نعرے پنڈال میں لہرانے لگے۔

ظاہر ہے کہ دِلی کے سامعین میں سے بہت کم لوگوں نے پنجابی کے اس شعر کے معنی سمجھے ہوں گے مگر شاہ جی نے جس اسلوب،جس ہیئت اور جس جذبے سے شعر پڑھا اور جس طرح دونوں ہاتھوں کو باہم ملا کر اسے عملی شکل میں ڈھالا۔اس نے شعر کے ایک ایک لفظ کے مطلب کو نکھار دیا تھا۔سامعین کی زبانوں سے ’’واہ واہ ‘‘ کا لفظ سُن کر شاہ جی نے کہا: میں تقریر کرتا ہوں تو کہتے ہیں :واہ شاہ جی واہ ۔!جیل میں بند کر دیا جاتا ہوں تو کہتے ہیں: آہ شاہ جی آہ۔!میں واہ اور آہ کے درمیان پھنسا ہوا ہوں ۔‘‘(نقیبِ ختم نبوۃ اشاعتِ خاص صفحہ ۵۴۳)

☆...بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

’’شاہ جی برصغیر کے بے مثال اور عظیم مجاہد تھے بقول کسے قرآن مجید پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ قرآت وتجوید کے تمام لوازم کے ساتھ لحنِ داودی سے فراز کر دیے گئے ہیں...ان کی تقریر میں شیر کی گرج ،خطابت میں دریا کی روانی اور تنقید میں تلوار کی کاٹ تھی۔لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں ایک اور خصوصیت بھی تھی۔ان کی زبان کی جنبش میں پھولوں کی مہک اور گلاب کی خوشبو رچی ہوئی تھی ۔وہ انتہائی نرم گفتار بھی تھے اور بدرجہ غایت تیز کلام بھی ۔انگریزی حکومت کے خلاف لب کشائی کرتے تو زبان آگ اگلنے لگتی ...وہ سحر طراز خطیب اور شیوہ (شعلہ)بیان مقرر تھے ۔جو بات کرتے اخلاص میں ڈوب کر کرتے اور وہ بات سامعین کے دل کی گہرائیوں میں اترتی اور اپنی جگہ بناتی چلی

فطرت،وقت اور مستقل مزاجی تین بڑے طبیب ہیں۔[محمد رضوان: درجہ خامسہ،فتحیہ]

جاتی ۔جس مسئلے کو موضوع بحث ٹھہراتے اس کے متعلقات کی اس اسلوب میں وضاحت کرتے کہ حاضرین پر جادو کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ۔وہ چھے چھے سات سات گھنٹے بے تکان بولتے اور دریا کی سی روانی سے بولتے ۔جب تک تقریر کا سلسلہ جاری رہتا ایسے محسوس ہوتا کہ فضا پرنور کی چادر تنی ہوئی ہے وعظ وتقریر میں ایسے ایسے لطائف وظرافت اور واقعات وحکایات بیان کرتے کی کبھی محفل کشتِ زعفران بن جاتی اور کبھی آہ وبکا کی صدائیں بلند ہونے لگتیں ۔مجمع پوری طرح ان کی گرفت میں ہوتا وہ ہنساتے بھی تھے اور رلاتے بھی تھے ۔'' (نقیب ختم نبوت ،اشاعت خاص صفحہ ۵۵۳)

شہنشاہِ خطابت:

اہل حدیث کہلوانے والے احباب نے حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کی خطابت کو داد دیتے ہوئے انہیں ''شہنشاہِ خطابت'' قرار دیا ہے ۔چند حوالے ملاحظہ ہوں ۔

☆...مولانا عتیق فکری صاحب لکھتے ہیں ۔

''فنِ خطابت کا یہ شہنشاہ اکثر ملتان آیا کرتا اور توحید ورسالت پر گھنٹوں تقریر کرتا اور دنیا کو مسحور کرتا ۔'' (شرح بلوغ المرام اردو ،حالات مصنف صفحہ ۱۸)

☆...مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں ۔

''سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ برصغیر کی دنیائے خطابت کے مشہور خطیب تھے ۔وہ کئی کئی گھنٹے بے تکان تقریر کرتے تھے ۔جو شخص ان کی تقریر کے لیے آجاتا وہ اس میں مسحور ہوجاتا اور اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا ...عشاء کی نماز سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد تیس پینتیس آدمیوں کے ساتھ شاہ جی جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور انہیں دیکھتے ہی امیر شریعت زندہ باد ۔مجلس احرار زندہ باد اور نعرہ تکبیر اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں ۔شاہ جی نے اسٹیج پر کھڑے ہوکر چاروں طرف نگاہ ڈالی اور پھر ایک کرسی پر جو خاص طور سے ان کے لیے رکھی گئی تھی تشریف فرما ہوئے ۔

میرے خیال میں رات کے گیارہ بجے کے قریب انہوں نے تقریر کے لیے مائیک سنبھالا اور پھر نعرے گونجنے لگے ۔ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے نعروں کا سلسلہ بند کرایا اور ایک ادائے خاص سے ادائیں بائیں دیکھ کر مائیک کو ذرا اپنے قریب کیا اور خطبہ مسنونہ کے الفاظ سامعین کے پردہ سماع سے ٹکرانے لگے ۔نہایت دل کش اور پر تاثیر آواز خطبے کے مضمون سے جب آواز کا زیر وبم آہنگ ہوتا تو لوگ جھوم جھوم جاتے پھر جب درود شریف پڑھنا شروع کیا اور اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کے الفاظ ان کے لسان سحر آفریں سے ادا ہوئے تو ایسے لگا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے عقیدت واحترام کے تمام لوازم ان کی ذات اور زبان میں جمع ہوگئے ہیں ۔اس کے بعد جب آیات قرآن کی تلاوت کا آغاز ہوا تو خیال گزرا کہ یہ آیات براہ راست آسمان سے نازل ہورہی ہیں ۔سبحان اللہ !ان اوصاف کا حامل خطیب اب کہاں پیدا ہوگا ۔برصغیر کے اس شہنشاہِ خطابت نے قمری حساب سے ۷۱ برس اور عیسوی حساب سے عمر کی تقریباً ۷۰ منزلیں طے کرنے کے بعد ۹ ربیع الاول ۱۳۷۱ھ (۲۱ ،اگست ۱۹۶۱ء) کو ملتان میں وفات پائی ۔'' (گزر گئی گزران صفحہ ۳۵۳)

☆...بھٹی صاحب لکھتے ہیں ۔

''ہم دوسری منزل میں گئے تو ایک بڑے کمرے میں موٹے بان کی چھوٹی سی چار پائی پر برصغیر کا شہنشاہِ خطابت آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا ۔(نقیب ختم نبوۃ: ۵۵۰)

قسط:۲۱

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۶)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حاضر جوابی

مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"شاہ جی نہایت حاضر جواب تھے۔ایک دفعہ وہ کہیں تقریر کر رہے تھے کہ کسی نے ان سے سوال کیا: آپ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا درجہ بلند ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا؟ جواب دیا: حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے آقا حضرت (محمد) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرید ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد! مجھے میرے نانا کے مرید اور مراد دونوں سے محبت ہے اور ان سے اظہار محبت کرنا میرا جزو ایمان ہے۔(لیکن سبھی جانتے ہیں کہ مراد کی شان مرید سے زیادہ ہوتی ہے، ناقل)

ایک مرتبہ رمضان المبارک سے ایک دن پہلے ایک نوجوان نے ان سے کہا: شاہ جی! شدید گرمیوں کا موسم ہے اور کل سے روزے شروع ہو رہے ہیں کوئی ایسا مسئلہ (صورت) بتائیے کھایا پیا بھی جائے اور روزہ بھی نہ ٹوٹے۔

فرمایا: کل روزہ رکھ کر میرے پاس آجانا میں تمہیں جوتے ماروں گا، تم جوتے کھاتے جانا اور آنسو پیتے جانا کھاتے پیتے بھی رہو گے اور روزہ بھی نہیں ٹوٹے گا۔" (ماہنامہ نقیب ختم نبوۃ ملتان: اشاعت خاص صفحہ ۵۵۶)

تنبیہ: آنسو پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔بھٹی صاحب سے حکایت بیان کرنے میں خطا ہوگئی ہے صحیح اس طرح ہے کہ غصہ پیتے جانا۔یا پھر یوں تاویل کرلیں کہ آنسو پینے سے مراد غصہ پینا ہے۔

عقیدہ ختم نبوۃ کی خدمت

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"تحریک (تحفظ ختم نبوۃ) میں حصہ لینے والوں پر حکومت نے بے پناہ سختیاں کی تھیں اور بے شمار لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔اخبارات پر سنسر لگا دیا تھا اور مجلس احرار خلاف قانون قرار دے دی گئی تھی۔عدالت لاہور ہائی کورٹ میں قائم کی گئی تھی اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے بہت سے رہنماؤں کے بیانات قلم بند کیے گئے تھے۔جنہیں جیل سے پولیس کی تحویل میں لایا جاتا تھا۔تحریک کی طرف سے مولانا داود غزنوی وکیل تھے۔کمرہ عدالت لوگوں سے بھر جاتا تھا اور سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے اکثر وکلاء کارروائی سننے کے لیے آتے تھے۔مرزائیوں کی طرف سے بھی وکیل مقرر تھے۔شاہ جی کو بیان دینے کے لیے جس دن عدالت میں طلب کیا

گیا تھا لوگوں کا بہت بڑا ہجوم وہاں جمع تھا اور تمام اخباروں کے نمائندے موجود تھے۔تحقیقاتی عدالت کی پوری کاروائی سنسر کی وجہ سے اخباروں میں نہیں آسکتی تھی ،صرف اتنی خبر چھپتی تھی جتنا حکومت دینا مناسب سمجھتی تھی۔

شاہ جی کو جب ہائی کورٹ میں لایا گیا ان کے آگے پیچھے پولیس کے اہلکار تھے ،وہ کمرہ عدالت میں آئے تو شلوار قمیص میں ملبوس تھے اور سر ننگا تھا۔پہلے بتا چکا ہوں کہ جب سے انہیں پتہ چلا تھا کہ جالندھر ریلوے اسٹیشن پر مولانا حسین احمد مدنی کی پگڑی اتار دی گئی ہے ،انہوں نے سر سے ٹوپی اتار دی تھی۔شاہ جی نے اپنے بیان میں مرزائیت کے پس منظر کی وضاحت کی اور پھر تفصیل سے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوۃ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے جو شخص نبوت کا دعوی کرے۔وہ شریعت اسلامی کی رو سے دائرہ اسلام سے خارج ہے جو لوگ اس کو نبی مانیں اور اس کے لیے ظلی یا بروزی کی اصطلاحیں استعمال کریں یا اس کی مدافعت کریں یا حامیان تحفظ ختم نبوت کو صرف اس وجہ سے اذیت میں مبتلا کریں کہ وہ مرزا غلام احمد اور اس کے ماننے والوں کو کافر قرار دیتے ہیں ،میں صاف لفظوں میں اعلان کرتا ہوں کہ میرے نزدیک وہ مسلمان نہیں ہیں۔

شاہ جی نے نہایت جرأت مندانہ انداز میں کہا جب تک میں زندہ ہوں ،یہ اعلان کرتا ہوں اور یہ اعلان کرنا اور اس پر قائم رہنا میری زندگی کا نصب العین ہے جس سے دنیا کی کوئی طاقت مجھے روک نہیں سکتی۔جو شخص مجھے اس سے روکنے کی کوشش کرے گا میں اسے مسلمان نہیں سمجھتا میں اس کی بات ماننے سے انکار کرتا ہوں۔

شاہ جی کا بیان خاصی دیر جاری رہا۔درمیان میں بعض لوگوں نے نعرے لگائے تو عدالت نے نعرے لگانے سے روک دیا ،خود شاہ جی نے بھی لوگوں سے کہا کہ نعرہ بازی بند کر دیں اگرچہ یہ باقاعدہ عدالت نہیں ہے تحقیقاتی عدالت ہے تاہم عدالت کا احترام ضروری ہے چاہے وہ کسی بھی نوعیت کی ہو۔بیان کے بعد عدالت نے حکم دیا کہ جب تک تحریک کے رہنماؤں کے بیانات اور تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے شاہ جی کو لاہور سنٹرل جیل میں رکھا جائے ممکن ہے کہ کسی موقع پر عدالت کو انہیں دوبارہ بلانا پڑے گا۔(ماہنامہ نقیب ختم نبوۃ ملتان: اشاعت خاص صفحہ ۵۴۷)

☆...بھٹی صاحب ہی لکھتے ہیں۔

"۲۵، ۲۶ فروری ۱۹۵۶ء کو لاہور میں دلی دروازے کے باہر تحفظ ختم نبوۃ کانفرنس ہوئی۔کانفرنس کے آخری اجلاس میں دوپہر کے بعد شاہ جی نے تقریر کی جیل سے رہائی کے بعد لاہور میں ان کی یہ پہلی تقریر تھی جو تین

کسی کو مسکرا کے ملنا بھی نیکی ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا بھی۔محمد فرخ ،درجہ قرآن

گھنٹے جاری رہی۔ بہت بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے عقیدہ ختم نبوۃ اور تحریک تحفظ نبوت کی وضاحت کی۔'' (نقیب ختم نبوۃ: اشاعت خاص صفحہ ۵۴۸)

تردیدِ مرزائیت:

مولانا رفیق اثری صاحب اپنے کسی ممدوح کے حالات میں لکھتے ہیں۔

''مدتوں ''احرارِ اسلام'' میں مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر آزادیٔ وطن اور مرزائیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کی۔'' (مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری صفحہ ۲۹۵)

حافظ ریاض احمد عاقب صاحب لکھتے ہیں۔

''انگریزوں نے اپنے دورِ حکومت میں قادیان کے اندر ایک جھوٹا اور کذاب سرکاری نبی پیدا کیا اور اس فرقہ ضالہ کی پشت پناہی کی تو علماء اور فقہاء ملتان نے اس خود ساختہ قادیانی کذاب کی تردید وتکذیب میں حصہ ڈالا اور ردِ قادیانیت کی عالمی تحریک مجلس احرام اسلام کے ہمنوا ہو کر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے نعرہ رُستاخیز کے ساتھ مل کر مولانا عبد التواب محدث ملتانی رحمہ اللہ نے بھی تردیدِ قادیانیت میں بھرپور کردار ادا کیا، قادیان کے جھوٹے نبی کے خلاف تقاریر کیں اور اس کے کافر ومرتد ہونے کا فتوی دیا۔'' (مولانا عبد التواب محدث ملتانی صفحہ ۶۰)

تنبیہ: ہماری اس کتاب میں اہلحدیث علماء کی عبارات سے مقصود علمائے دیوبند کی مدح سرائی نقل کرنا ہے کسی اور کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے ہمارا اتفاق ضروری نہیں۔

☆... مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''قیامِ پاکستان کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو مرزائیت کی تردید اور ملک میں اسلامی نظام ہی کی کوشش کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مرزائیت کے سلسلے میں تو انہیں کامیابی ہوئی لیکن اسلامی نظام کی منزل ابھی دکھائی نہیں دیتی۔'' (ماہنامہ نقیب ختمِ نبوۃ ملتان: اشاعت خاص صفحہ ۵۵۷)

پہلا مسلمان بچہ

محمد اظہر، چاند ٹیلرنگ سنٹر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول فرمایا تھا آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے بیٹے تھے۔ آپؓ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اس وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد احکام وفرائض میں سب سے بڑے عالم آپؓ ہی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ سے بہت پیار فرماتے تھے۔ نبیؐ نے اپنی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی آپؓ ہی سے کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ تھے۔ ۴۰ ہجری میں ابن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ (علم وعمل صفحہ نمبر ۳۱، شمارہ نمبر ۱۳۱)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین قسط:۲۲ رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۷)

سادگی

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''اس دن ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ مجلس احرار کا دفتر دلی دروازے کے باہر سرکلر روڈ پر شاہ محمد غوث کے مزار کے سامنے کی بلڈنگ کی دوسری اور تیسری منزل میں تھا۔ بارش کی وجہ سے سڑک پر گارے کی موٹی موٹی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اسی بلڈنگ میں احرار کے ترجمان روزنامہ ''آزاد'' کا دفتر جس کے ایڈیٹر ان دنوں مولانا مجاہد الحسینی تھے۔ ہم دوسری منزل میں گئے تو ایک بڑے کمرے میں موٹے بان کی چھوٹی سی چارپائی پر برصغیر کا شہنشاہ خطابت آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ فرش پر ایک بڑی سی دری بچھی ہوئی تھی جو کئی جگہ سے پھٹی ہوئی تھی اور اس کے بڑے بڑے سوراخ اس کی بوسیدگی اور کہنگی کا اعلان کر رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ یہ عمر کی بہت سی منزلیں طے کر چکی ہے اور اس پر بے شمار کاروانِ احرار گزر چکے ہیں'' (نقیب ختم نبوۃ ملتان: اشاعت خاص صفحہ ۵۵۰)

سرہانے میر کے آہستہ بولو

بھٹی صاحب اس سے آگے لکھتے ہیں۔

''دری پر سات آٹھ آدمی چپ چاپ بیٹھے تھے اور شاہ جی نظر کی عینک لگائے اور ہڈیوں کا ڈھانچہ بنے احرار کے لیٹر پیڈ پر کچھ لکھ رہے تھے اور نگاہیں کاغذ پر جمی ہوئی تھیں۔ ہم دونوں ان کے انہماک کو دیکھ کر ''سرہانے میر کے آہستہ بولو'' کی عملی تصویر بنے ہوئے تھوڑا سا آگے بڑھے۔ جوتے اتار کر اور بزبان خفی السلام علیکم کہہ کر نہایت ادب سے دوزانو ہو کر دری پر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد شاہ جی نے کاغذ پر سے نگاہ اُٹھائی تو میں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر مؤدبانہ اور نیازمندانہ سلام عرض کیا اور گردن جھکا کر دونوں ہاتھ ان کے بابرکت ہاتھوں میں دے دیئے۔ مولانا مجاہد الحسینی نے کھڑے ہو کر میرا ان سے تعارف کرایا۔ ان پاک طینت لوگوں کو ہمیشہ کے لیے دھرتی نگل گئی ہے اور اس کینڈے کے لوگ اب کبھی سطح زمین پر نمودار نہیں ہوں گے۔ افسوس ہے۔ (ع)

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے''

(نقیب ختم نبوۃ ملتان: اشاعت خاص صفحہ ۵۵۱)

اخلاق حسنہ اور انکساری

بھٹی صاحب اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میرا نام (جو ان جیسے نامور حضرات کے ذکر کے مقابلے میں کسی شمار قطار میں آنے کے لائق نہیں) سنتے ہی بیسویں صدی کا خطیبِ اعظم چارپائی سے اُٹھا اور مجھے اپنی بغل میں لے لیا، مولانا مجاہد الحسینی سے کہا: تم خاموشی سے آکر بیٹھ گئے، آتے ہی کیوں نہیں بتایا میں اپنے عزیز کو لینے کے لیے دروازہ پر جاتا۔ یہ الفاظ مجھ فقیر کے لیے بہت بڑا اعزاز تھے۔ پھر اس سے بڑا

اعزاز یہ کہ مجھے اپنے برابر چار پائی پر بٹھایا۔عجیب تر بات یہ کہ اصرار کر کے سرہانے کی طرف بٹھایا اور جو بڑا سا تکیہ چار پائی پر پڑا تھا ٹیک لگانے کے لیے عنایت فرمایا۔میں اس پیکرِ شفقت کی پُر خلوص باتیں سُن کر اور کیفیت انکسار دیکھ کر مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا ۔ایک آدھ منٹ تو کسی نہ کسی طرح سرہانے کی طرف بیٹھا،پھر یہ عرض کر کے پائنتی میں آ گیا کہ اب تعمیل ارشاد ہو گئی اور الامر فوق الادب پرعمل کر لیا گیا ۔تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک مجھے شاہ جی کی خدمت میں حاضر رہنے اور ان کے ارشادات سے مستفید ہونے کا شرف حاصل رہا،تمام گفتگو میں انہوں نے یا تو مجھے ''اسحاق صاحب'' کہہ کر خطاب فرمایا یا ''میرے عزیز'' کہہ کر...!۔جمال وانکسار میں ڈوبے ہوئے لہجے میں انہوں نے کہا:میں فقیر آدمی ہوں...'' (نقیب ختم نبوۃ ملتان:اشاعت خاص صفحہ ۵۵۱)

لہجہ اور طرزِ کلام

بھٹی صاحب شاہ جی سے اپنی اسی ملاقات کے تذکرہ میں فرماتے ہیں۔

'' شاہ جی نے اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں کیں ۔ان کا لہجہ انتہائی نرم اور طرز کلام بدرجہ غایت میٹھا اور پیارا تھا۔اثنائے گفتگو میں کئی دفعہ ان کی آنکھوں میں آنسو آئے اور زبان کے طرز اداء نے ان کی کیفیت قلب کا پتا دیا۔زندگی میں میری ان سے یہ پہلی اور آخری گفتگو تھی جو بہت سی گفتگوؤں پر بھاری تھی۔اس میں شاہ جی نے اپنے دل کا صاف وشفاف آئینہ میرے سامنے رکھ دیا تھا۔'' (نقیب ختم نبوۃ ملتان : اشاعت خاص صفحہ ۵۵۲)

تاثر پذیری گفتگو

بھٹی صاحب اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

''واقعہ یہ ہے کہ یہ گفتگو تاثر پذیری کے بے شمار نقوش میری لوح قلب پر مرتسم کر گئی ۔میں نے واپس آ کر مولانا [داود غزنوی صاحب ،انہوں نے ہی بھٹی صاحب کو اپنے کسی کام کی غرض سے شاہ جی کے پاس بھیجا تھا۔(ناقل)] کو باتیں تفصیل سے سنائیں اور شاہ جی نے ان کے بارے میں جن جذبات کا اظہار کیا تھا ان کی وضاحت کی۔ظاہر ہے خود مولانا بھی اپنے متعلق شاہ جی کے تاثرات معلوم کرنے کے لیے بے تاب تھے اور میرا انتظار کر رہے تھے۔انہوں نے یہ باتیں غور سے سنیں اور دوران سماعت کئی مرتبہ اشکبار ہوئے۔میں نے مولانا سے عرض کیا کہ بات چیت سے شاہ کی افسردگی کا اندازہ ہوتا تھا!اور سننے والے بھی افسردہ تھے کیفیت یہ تھی کہ۔ ع

افسردہ دل ،افسردہ کند انجمنے را

شاہ جی کی جسمانی حالت اور نرمی کلام کو دیکھ کر داغ کا یہ شعر ذہن میں گھوم رہا تھا۔

ہوش وحواس وتاب وتواں داغ جاچکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں ،سامان تو گیا

'' (نقیب ختم نبوۃ ملتان:اشاعت خاص صفحہ ۵۵۲)

فارسی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:افسردہ دل انجمن کو افسردہ کر دیتے ہیں۔

جیل کی زندگی

مولانا غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں۔

''میں اخبار نویسی کے میدان میں قدم رکھنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔اس وقت پہلی مرتبہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا نام سنا۔لوگ ان کے بیان وخطابت کی سحر انگیزی اور

زور وتاثیر کی ستائش ایسے انداز میں کرتے تھے کہ خیال ہوتا تھا کہ اس میں حقیقت کی جگہ افسانے کا رنگ غالب ہے۔میں نے ۱۹۲۲ء اخبار نویسی شروع کی تو ان کے اکثر بڑے بڑے لیڈر اور کارکن گرفتار ہو چکے تھے۔ان میں خود شاہ جی بھی شامل تھے۔سزائے قید سنا دینے کے بعد انہیں میانوالی جیل بھیج دیا گیا جو عام گزرگاہ سے ہٹا ہوا تھا اور وہاں بالقصد جانے والے لوگوں کے سوا کسی کے پہنچنے کا امکان نہ تھا۔شاہ جی کے بعض رفیق اور دوست پہلے سے وہاں موجود تھے۔بعض بعد میں وہاں پہنچ گئے۔بہر حال اس وقت مجھے شاہ جی کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔سالک مرحوم ۱۹۲۱ء کے اواخر میں قید ہوئے تھے انہیں بھی میانوالی جیل بھیج دیا گیا تھا۔وہ نومبر ۱۹۲۲ء میں رہا ہو کر آئے تو ان کے ساتھ اخوت ورفاقت کا وہ پیمان استوار ہوا جو عملاً زندگی بھر کا پیمان بن گیا۔وہ اکثر اپنے رفیقانِ اسیری کے احوال ووقائع ولطائف وظرافت سناتے رہتے مثلاً مولانا احمد سعید مرحوم ناظم جمعیت العلماء،صوفی اقبال احمد مرحوم پانی پتی،مولانا عبداللہ مرحوم دہلوی چوڑی والے،عبدالعزیز مرحوم انصاری...وغیرھم رفیقوں میں جس شخصیت کے ذکر پر مرحوم سالک کے انداز میں محبت وللّٰہیت کی خاص شان پیدا ہو جاتی تھی وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔اسی طرح میرے دل میں شاہ جی کے متعلق محبت وعقیدت کے مخلصانہ جذبات پیدا ہوئے اور اس مشہور شعر کی حقیقت کا عملی تجربہ پہلی دفعہ ہوا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد
بسا کیں دولت از گفتار خیزد

(نقیب ختم نبوۃ ملتان:امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۱)

مذکورہ فارسی شعر کا مفہوم یہ ہے:عشق نہ صرف دیکھنے سے ہوتا ہے بلکہ اکثر یہ دولت باتوں سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

☆...مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''جن حضرات کو حکومت نے ابتداء ہی میں گرفتار کرلیا تھا ان میں شاہ جی بھی شامل تھے۔ان لوگوں کو کراچی میں گرفتار کیا گیا تھا اور پھر سکھر جیل میں لایا گیا تھا۔اس سے کچھ عرصہ بعد جسٹس محمد منیر اور جسٹس ایم آر کیانی کی عدالت میں انکوائری شروع ہوئی،تو انہیں سنٹرل جیل لاہور منتقل کر دیا گیا...۱۹۵۳ء کے مارچ کے پہلے ہفتہ کی کوئی تاریخ تھی کہ مولانا داود غزنوی نے ان حضرات سے جیل میں ملاقات کا پروگرام بنایا...مولانا نے ان حضرات کو جیل سے باہر کی صورتِ حال سے آگاہ اور جس رفتار سے تحریک چل رہی تھی اور گرفتاریاں ہو رہی تھیں،اس کی تفصیل بتائی۔

اب شاہ جی بوڑھے ہو چکے تھے اور جسمانی کمزوری کے آثار ان کے چہرے پر ابھر آئے تھے مگر ان کا دل جوان تھا،جذبات کی دنیا پوری طرح آباد تھی اور کلمہ حق کہنے کا داعیہ جوبن تھا۔انہوں نے مولانا سے فرمایا:آپ ہماری فکر نہ کریں،ہم بالکل ٹھیک ہیں۔جیل کی یہ کوٹھڑیاں ہمارے لیے نئی نہیں ہیں عمر کا بہت حصہ انہی کوٹھڑیوں میں گزرا ہے۔ہمیں یہاں کامل اطمینان اور سکون حاصل ہے۔آپ ہمیں اپنی حالت پر چھوڑ دیجیے اور تحریک کو جاری رکھیے۔خود ایسا قدم نہ اُٹھائیے کہ گرفتاری تک نوبت آئے۔اگر ایسا ہوا تو تحریک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔تقریباً ایک گھنٹے تک ان سے ملاقات رہی اور ہم واپس آگئے۔''(نقیب ختم نبوۃ ملتان:اشاعت خاص صفحہ ۵۴۶)

اپنا کھانا متقی لوگوں کے سوا کسی کو نہ کھلاؤ۔اپنے کاموں میں علماء سے مشورہ لیا کرو۔﴿محمد خالد درجہ قرآن،فتحیہ﴾

قسط: ۲۳

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

رب نواز، احمد پور شرقیہ

بلند پایہ شخصیت

مولانا غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں۔

''پھر ان کا پورا جہاد صرف آزادی کے لیے نہ تھا بلکہ اسلامیت آزادی کے لیے تھا۔ وہ اپنے وطن کو بھی آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اور مسلمانوں کو بھی آزاد تر، خود دار تر اور مخلص تر مسلمان دیکھنے کے آرزو مند تھے۔ اپنی عمر انہیں مقاصد کے لیے ایسی مصیبتوں اور دلگیریوں میں گزاری جن کا معمولی سا تصور بھی بڑے بڑے مدعیان ہمت و جرأت کو رعشہ براندام کر دینے کے لیے کافی ہے۔ مگر کیا کسی خدمت کے لیے کوئی صلہ طلب کیا؟ طلب کرنا تو رہا ایک طرف کبھی کسی خدمت کا ذکر بھی بھولے سے بھی نہیں کیا۔ خوب سوچو، خوب غور کرو، پھر بتاؤ کہ ہمارے وطن عزیز میں ایسی بلند پایہ شخصیتیں کتنی ہیں۔'' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۴)

عقیدت کے پھول

مہر صاحب لکھتے ہیں۔

''میں نے یہ چند سطور اس عالم میں لکھیں کہ اپنے خیالات و افکار کو اطمینان سے دے لینے کی بھی فرصت نہ تھی۔ گویا ادھر سے ادھر چند پنکھڑیاں چُن کر دامن عقیدت میں رکھ لیں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بارگاہ عظمت میں جاؤں تو خالی ہاتھ نہ جاؤں۔ ان کے متعلق سیر حاصل چیزیں لکھنے کے لیے زیادہ اطمینان و دل جمعی درکار ہے۔ یہ تو ایک دھندلا سا آئینہ ہے یہ اس غرض سے پیش کر رہا ہوں کہ ہم سب اسے سامنے رکھ کر دیکھیں کہ خود ہمارے ادعائے خدمت کے خد و خال کیسے ہیں۔ ہماری بینائی کتنی ہی غرض آلود اور ہماری صلاحیت موازنہ ماؤف ہو۔ مگر اس آئینہ میں اپنے عمل و کردار کی حقیقی حیثیت ضرور دیکھ سکتے ہیں۔

تماشائے جمال حور و غلمانم کجا باشد
مرا آئینہ باید کہ بینم تا چہ حدزشتم

آج اس سلسلے میں شاہ جی کے آئینہ مجاہدات سے بہتر کون سا آئینہ ہوسکتا ہے۔ ان کی زندگی کا ہر دور ہمارے سامنے گزرا۔ انہوں نے اسی فضا اور اسی ماحول میں اخلاص ایثار، بلند ہمتی اور سچی اسلامیت کا وہ نقشہ پیش کیا جو دلوں میں مطلوب عمل کرے ولولے پیدا کر سکتا ہے۔ (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر صفحہ ۴۸۵)

استقامت

مولانا حنیف ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

''یہ خوشی کی بات ہے کہ شاہ صاحب کی موت پر قریب قریب ہر حلقے نے اظہار افسوس کیا ہے اور ان کی خدمات کے پیش نظر ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔ مگر افسوس ہے اس سلسلہ میں ان کے سیاسی افکار و معتقدات کی ایک غلط بحث چھڑ گئی ہے۔ دیکھنے کی چیز یہ نہیں کہ ان کا تعلق ماضی میں کس سیاسی جماعت سے رہا ہے اور اپنی معاصر سیاسی جماعتوں کے بارے میں انہوں نے کس موقف کو اپنے لیے پسند کیا ہے، اس کے برعکس دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ شروع سے زندگی کا جو نقشہ انہوں نے تجویز کیا، کیا سر مو اس سے منحرف ہوئے؟ اور جن خیالات و تصورات کو انہوں نے اپنایا، ان کی پوری پوری قیمت ادا کی یا نہیں؟'' (ارمغان حنیف صفحہ ۱۸۴)

شخصیت کو نکھارنے والی خوبیاں

ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''اس سے بھی زیادہ جو چیز ان کی شخصیت کو نکھارنے والی ہے وہ ان کی بے نظیر جرأت و بے باکی ہے سوال یہ ہے کہ جس جگر داری کے ساتھ انہوں نے انگریز سے ٹکر لی ہے جس بہادری اور حوصلہ مندی کے ساتھ انہوں

ہوشیاری اس کا نام ہے کہ انسان اپنے تجربہ کو محفوظ رکھے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ ٭بنت رانا سعید محراب والا٭

نے قید و بند کی سختیوں کو جھیلا ہے اس کی کوئی مثال ان کے حریفوں میں تلاش کی جاسکتی ہے؟ شاہ صاحب کی عظمت کا راز ان کی عزیمت میں ہے، ان کے ایثار میں ہے، ان کی درویشی و فقر میں ہے، ان کے غنا اور بے نیازی میں ہے، ملک سے وفاشعاری میں اور راہ و رسم دوستی کی استواریوں میں ہے۔" (ارمغانِ حنیف:۱۸۴)

چمکا دینے والی خوبیاں

ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

"ان پر زبانِ اعتراض دراز کرنے والے اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں، کیا اس متاعِ گراں مایہ کے کسی حصے کو بھی ان کے دامن کردار نے سمیٹا ہے؟ ان میں جتنی خوبیاں مبدأ فیاض کی طرف سے جمع ہوگئی تھیں، ان میں سے ایک ایک خوبی ایسی ہے کہ جو کسی شخص کے کردار و سیرت کو چمکا دینے کے لیے کافی ہے۔ شاہ صاحب اپنی خداداد قابلیتوں کے بل پر اگر پیری مریدی کا کاروبار اختیار کرتے تو لاکھوں ہاتھ بیعت کے لیے آگے بڑھتے اور اگر اپنی محبوبیت و شخصیت سے کوئی مالی فائدہ اُٹھانا چاہتے تو سیم و زر کی فراوانیاں ان کا خیر مقدم کرتیں۔ دنیا جانتی ہے کہ شاہ صاحب نے یہ دونوں کام نہیں کئے۔ کیا یہی ایک چیز ان کی عظمت کے لیے کافی نہیں؟" (ارمغانِ حنیف صفحہ۱۸۴)

حصول پاکستان کے لیے بنیادی کاوش

مولانا حنیف ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"ایک اور پہلو سے ان کی زندگی کا جائزہ لیجیے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ آزادی و حریت کی روشنی کسی ایک ہی دروازے سے داخل ہوتی ہے یا تخت و اورنگ کی بزم آرائیاں تنہا کسی ایک ہی شخص یا جماعت کی کوششوں کی رہینِ منت ہوتی ہیں۔ روشنی کئی دروازوں سے صحن تک آتی ہے اور تخت و اورنگ کی بزم آرائیوں کے پیچھے کئی تاریخی عوامل ہوتے ہیں جو کارفرما ہوتے ہیں۔ اگر واقعاتِ عالم و تاریخ کا یہ تجزیہ صحیح ہے تو پھر حصول پاکستان کی کامرانیوں کا انتساب ان تمام تحریکوں اور شخصیتوں کی طرف ہوگا، جنہوں نے براہ راست یا بواسطہ انگریزی استعمار کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے یا ہندو کی اجارہ دارانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ترتیب اشیا کو اگر اس انداز سے دیکھیے تو حصول پاکستان کے ضمن میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کا حصہ کسی طرح بھی کم اہم نظر نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے اس وقت انگریز کے قلعہ اقتدار میں شگاف ڈالے جب اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت کرنا آسان نہیں تھا۔ اس وقت سلطان جابر کے سامنے آزادی و حریت کا کلمہ بلند کیا جب اس کے صلے میں طوق و سلاسل کی گراں باریوں کی انگیز کرنا لازمی تھا۔" (ارمغانِ حنیف صفحہ۱۸۵)

ذوقِ شعری

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"اردو فارسی اور پنجابی کے بے شمار اشعار انہیں یاد تھے۔ موقع و محل کی مناسبت سے اس انداز میں شعر پڑھتے کہ معلوم ہوتا شاعر نے اسی مقام کے لیے شعر کہا تھا۔" (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۳)

طعنہ بازوں کی کرم فرمائیاں

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"بعض حضرات نے طعن و تنقید کو اپنا مشن قرار دے رکھا ہے اور اسی پر ان کا گزارہ ہے تنقید بہت آسان کام ہے، ذمے داریوں سے بچنے اور اصل کام سے دور رہنے کے لیے تنقید سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ شاہ جی اور ان کی خدمت کو بھی وہ ہدفِ تنقید ٹھہراتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک ملک و ملت کی بہت بڑی خدمت ہے۔" (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۶)

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط ۲۴

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۹)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

انگریز حکومت سے ٹکر

☆... مولانا غلام رسول مہر صاحب لکھتے ہیں۔
''ہمارے گردو پیش نفسا نفسی کے جو ہنگامے اور معاوضہ خدمات کے جو محشر برپا ہے ان سے کون ناواقف ہے جو لوگ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہوئے تھے انہوں نے بھی اپنے کارناموں کے دفتر تیار کر کے معاوضے میں سب کچھ حاصل کر لیا جوان کی دسترس میں آسکتا تھا۔ حالانکہ ان کے استحقاق کا معاملہ اصولاً محل نظر تھا۔ شاہ جی کی تمام عمر اس قاہر حکومت سے لڑنے میں بسر ہوئی جس نے ہر مادی اور معنوی ثروت غصب کر کے اپنی رگوں کے لیے زندگی کا خون مہیا کیا تھا۔'' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۴۸۳)

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
''ایک دن اخبار میں پڑھا کہ کل رات امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری قصور تشریف لا رہے ہیں جہاں وہ جلسۂ عام سے خطاب کریں گے۔ میں نے اور مولانا معین الدین لکھوی نے قصور جانے اور شاہ جی کی تقریر سننے کا پروگرام بنایا۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے۔ ہم قصور پہنچے تو فیروز پور اور دیگر مقامات کے بہت سے لوگ مل گئے جو شاہ جی کی تقریر سننے آئے تھے۔ طویل عرصے کے بعد شاہ جی اس نواح میں تشریف لائے تھے۔ شب کو نو بجے کے بعد ان کی تقریر شروع ہوئی اور چار گھنٹے جاری رہی۔ شدید سردی کا موسم تھا اور ہم نے کمبل اوڑھ رکھے تھے۔ وہ ملک میں انتخاب کے ہنگاموں کے دن تھے اور مسلم لیگ کی طرف سے وہاں کے دیہاتی حلقے میں میاں افتخار الدین انتخاب لڑ رہے تھے جو کچھ عرصہ پہلے کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ شاہ جی نے انگریزی حکومت کی نہایت سخت لب و لہجے میں مخالفت کی اور عالم اسلام اور ہندوستان پر اس کے مظالم تفصیل سے بیان کیے، مسلم لیگ کو بھی ہدفِ تنقید ٹھہرایا اور اس کے سیاسی نقطۂ نظر کا تجزیہ کیا۔'' (نقیب ختم نبوت: ۵۴۴)

☆... بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
''انہوں نے جگر داری کے ساتھ انگریز سے ٹکر لی، بہادری اور حوصلے کے ساتھ قید و بند کی سختیوں کو جھیلا اور جرأت و بے باکی سے حریف طاقتوں کا مقابلہ کیا۔ ان کی عزیمت ان کی عظمت کا پتا دیتی ہے، ان کا ایثار ان کی بلندی کی نشاندہی کرتا ہے اور ان کی درویشی ان کی رفعت کو اُجاگر کرتی ہے۔'' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۳)

☆... بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
''برصغیر کو انگریزی استعمار سے نجات دلانے کے لیے شاہ جی نے جو جدوجہد کی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آزادی کی ہر تحریک کا طویل پس منظر ہوتا ہے۔ جس میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ہر دور میں متعدد جماعتیں اپنے اپنے انداز سے حصول آزادی کے لیے کوشاں رہتی ہیں اور مختلف عناصر اس کے لیے تگ ودو کرتے ہیں۔ پھر ان سب کی مخلصانہ کوششوں سے آزادی کی نعمت میسر آتی ہے۔ (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۶)

☆... بھٹی صاحب حضرت شاہ جی کے متعلق لکھتے ہیں۔
''انہوں نے غلام آباد ہندوستان میں انگریز کے خلاف زبردست ٹکر لی اور اس کی حکومت کو اپنا سب سے بڑا حریف گردانا۔ ایران، عراق، ترکی، حجاز، نجد، مصر، شام، بیت المقدس، غرض ہر خطۂ ارض کے مسلمانوں کی مظلومیت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ان کے مصائب پر نوحہ خواں ہوئے۔'' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۷)

ہنسی و مزاح

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔
''شاہ جی اور چھوٹے بڑے تمام قائدین احرار میں یہ خوبی تھی کہ ہر آن اور ہر حال میں خوش و خرم رہتے تھے لطیفے بازی اور ہنسی مذاق ان کی زندگی کا لازمی جزو تھا۔ اس پر ان کی مخالف سیاسی جماعتوں کے بعض لوگ طعنہ زن بھی ہوئے مگر انہوں نے اس کی پروا نہیں کی۔ (نقیب ختم نبوت: ۵۵۶)

قیام پاکستان اور شاہ جی کی کاوشیں

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"شمع حریت کبھی کسی ایک ہی سمت سے صحن ملک میں داخل نہیں ہوتی مختلف اوقات وحالات، مختلف سمتوں اور مختلف دروازوں اور ذریعوں سے آتی اور چمن زار وطن کو روشنی بخشتی ہے۔ اگر بعض عناصر اس چند لفظی تجزیے کو اپنی سیاسی عصبیت کی بھینٹ نہ چڑھادیں تو ہم عرض کریں گے کہ آزادیٔ وطن اور قیام پاکستان میں مجلس احرار کی قربانیوں اور شاہ جی کی تگ وتاز مجاہدانہ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ انہی جماعتوں کے ارباب قیادت کی سعی مسلسل سے ہم نے انگیریز کی غلامی سے چھٹکارا پایا اور انہی کی قربانیوں کی بدولت ہم حریت وآزادی کے مسرت آمیز دور میں داخل ہوئے۔ (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۶)

☆... بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"شاہ جی نے اور ان کی جماعت مجلس احرار نے تحریک پاکستان سے اختلاف کیا تھا لیکن جب پاکستان قائم ہوگیا تو وہ اس کے زبردست حامی تھے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ میں نے اور میری جماعت نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اور ہم ایک ہندوستان کے حامی تھے۔ اب پاکستان بن گیا ہے، ہم اپنے موقف میں ہار گئے ہیں، ہمارے مخالف جیت گئے ہیں، پاکستان ہمارا ملک ہے اور ہمارا مستقبل اسی سے وابستہ ہے، ہم یہیں رہیں گے اور یہیں مریں گے۔ اب جو شخص پاکستان کی مخالفت کرے گا، ہم اس کے خلاف جنگ کریں گے۔ یہ ان کی اخلاقی جرأت تھی اور قیام پاکستان سے اختلاف کی بناء پر سیاسی شکست کا اعتراف تھا۔ اس قسم کا اعلان کوئی بڑا آدمی ہی کرسکتا ہے اور بلاشبہ شاہ جی بڑے آدمی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اگر کوئی شخص پاکستان یا اس کے قائدین کے خلاف کسی قسم کی بات کرتا تو شاہ جی برداشت نہ کرسکتے اور اس کو ڈانٹ دیتے تھے۔" (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۷)

سلسلہ نسب اور جائے پیدائش

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"شاہ جی کا سلسلہ نسب چھتیس واسطوں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے وہ یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ء) کو ہندوستان کے صوبہ بہار کے دار الحکومت پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ جب فہم وشعور نے انگڑائی لی اور عقل وخرد نے کچھ منزلیں طے کیں تو امرتسر آگئے۔ وہاں کی ایک مسجد میں ۱۹۱۶ء؍۱۹۱۴ء کو وعظ وخطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ سیاسی زندگی کا آغاز... ۱۹۱۹ء میں ہوا جب کہ تحریک خلافت شباب پر تھی۔ بارہا جیلوں میں گئے اور طویل قیدیں کاٹیں۔ (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۷)

شاہ جی کو جلسہ کی دعوت

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا عبدالغفار حسن فرماتے ہیں، مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق ایک اور واقعہ وہ ہے جس کے راوی شیخ محمد صادق سیالکوٹی ہیں جو تقسیم ہند کے وقت کلکتہ میں عینکوں کے بہت بڑے تاجر تھے اور مولانا آزاد سے بے حد ذہنی لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جمعیت تبلیغ اہل حدیث کلکتہ کا سالانہ جلسہ ہونے والا تھا۔ چنیوٹ کے سوداگر کلکتے میں بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو اس جلسے میں ضرور بلایا جائے۔ اس جلسے کے صدر مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی تھے۔" (دبستان حدیث صفحہ: ۳۳۳)

شاہ جی کرسی صدارت پر

سیالکوٹی صاحب موقع پر نہ پہنچ پائے۔ اگلی بات بھٹی صاحب یوں نقل کرتے ہیں۔

"شاہ صاحب نے حاضرین سے پوچھا آپ لوگوں کا کیا خیال ہے، کیا میں صدارت کے لیے کسی دوسرے شخص کا نام پیش کروں؟ چاروں طرف سے زور زور کی آوازیں آئیں "ضرور پیش کیجیے، ضرور پیش کیجیے" اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا: جلسے کی صدارت کے لیے میں اپنا نام پیش کرتا ہوں۔ آپ کو منظور ہے؟" لوگوں نے جواب دیا: "منظور ہے، منظور ہے" اب شاہ صاحب کرسی صدارت پر بیٹھ گئے اور کہا: میں مولانا ابو الکلام آزاد سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ تشریف لائیں اور تقریر فرمائیں۔" (دبستان حدیث صفحہ: ۳۳۴)

رشتہ بنانا اتنا آسان جتنا مٹی سے مٹی پر مٹی لکھنا اور رشتہ نبھانا اتنا مشکل جیسے پانی سے پانی پر پانی لکھنا۔ ﴿محمد صابر بستی جوئیہ﴾

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین قسط:۲۵

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۱۰)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

استغناء

مولانا اسحاق بھٹی صاحب حکیم محمد عبداللہ روڑی والے کے متعلق لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ انہوں نے کسی رسالے میں ایک کتاب کا اشتہار پڑھا اور اسے بڑے شوق سے منگوایا۔ اس کی ورق گردانی کرنے لگے تو ایک جگہ سید عطاء اللہ شاہ کا نام لکھا دیکھا۔ معلوم نہیں یہ کتاب کسی طرح اس کتب فروش تک پہنچی، جس نے حکیم صاحب کی طلب پر اسے ان کی خدمت میں قیمتاً بھیجا۔ یہ قیام پاکستان کے بعد کی بات ہے۔ حکیم صاحب ملتان شاہ جی کی خدمت میں پہنچے اور یہ کتاب پیش کی۔ شاہ جی نے لینے سے انکار کیا لیکن حکیم صاحب نے یہ کتاب انہیں دے دی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۵۶)

شاہ جی کا ملفوظ

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں۔

''امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان نے اپنے اوپر تصنع کا خول چڑھا رکھا ہے اور اس نے اپنے آپ کو مصنوعی دبیز پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ انسان کی اصلیت ریل میں ظاہر ہوتی ہے یا جیل میں۔'' (تذکار حافظ عبدالغفور جہلمی صفحہ ۱۴۴)

قیام ہند کے بعد

مولانا حافظ ریاض احمد عاقب صاحب اختر راہی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''قیام پاکستان سے چند ماہ پہلے سے فسادات شروع ہوگئے تھے۔ شاہ صاحب مارچ ۱۹۴۷/۱۳۶۶ھ میں امرتسر سے لاہور آگئے۔ تقسیم ہند کے بعد وہ سیاست سے کنارہ کش ہوگئے دو سال بعد مجلس احرار اسلام کو ہمہ تن تبلیغی جماعت بنا دیا۔ اور قادیانیت کے تعاقب میں تیغ برہنہ ہوگئے۔ تحریکِ تحفظ ختم نبوت کی بنیاد ڈالی اور ردِ قادیانیت اور تحفظ ختم نبوت کو اپنا مشن و مقصد زندگی بنا کر ایک سال سنت یوسفی بھی ادا کی۔ آخری ایام حیات میں ملتان منتقل ہوگئے تھے۔'' (مولانا عبدالتواب ملتانی صفحہ ۱۱۴)

عاجزی

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ہیں۔

''پروگرام کے مطابق مولانا آزاد کے بعد سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو تقریر کرنا تھی، لیکن شاہ صاحب مرحوم نے فرمایا کہ سمندر کے بعد ندی نالے کی ضرورت نہیں، لہذا میں سمجھتا ہوں کہ مولانا کے بعد میری تقریر مناسب نہ ہوگی، یعنی علمی لحاظ سے ان کی تقریر کے بعد میں کوئی نئی بات نہیں کہہ سکوں گا۔ (یہ شاہ جی کا انکسار تھا۔ اندازہ فرمائیے وہ لوگ کس قدر بلند اخلاق تھے۔)'' (دبستان حدیث صفحہ:۳۳۵)

اولاد

حافظ ریاض احمد عاقب صاحب اختر راہی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''شاہ جی کی اولاد میں ایک صاحب زادی اور چار صاحب زادے ہیں۔ صاحب زادوں کے نام یہ ہیں۔ مولانا حافظ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ

۲۔ مولانا حافظ سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

۳۔ حافظ سید عطاء المؤمن بخاری حفظہ اللہ

۴۔ حافظ سید عطاء المہیمن بخاری حفظہ اللہ'' (مولانا عبدالتواب ملتانی صفحہ ۱۱۴)

قلمی یادگار

حافظ ریاض احمد عاقب صاحب اختر راہی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ''مولانا مرحوم کی قلمی یادگاروں میں ان

کا مجموعہ کلام ''سواطع الالہام'' ہے۔ جوان کے بڑے صاحب زادے اور جانشین مولانا حافظ سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے ترتیب دیا ہے۔'' (مولانا عبدالتواب ملتانی صفحہ ۱۱۵)

فکرِ آخرت

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''شاہ جی نے فرمایا... یہ میر اللہ اللہ کرنے کا وقت ہے، گلے شکوے کی کتاب کھول کر بیٹھنے کا نہیں'' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۲)

وفات

☆... حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کی وفات پر جمعیت اہل حدیث کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس مولانا داود غزنوی کی زیر صدارت ہوا جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ:

''مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے سانحہ ارتحال پر اپنے دلی رنج وافسوس کا اظہار کرتا ہے۔ شاہ بخاری صاحب مرحوم نے انگریزی استعمار کے مقابلہ میں جس اولوالعزمی اور ثباتِ قدم کا ثبوت دیا ہے وہ آج ہم میں سے ہر شخص سے خراجِ تحسین حاصل کر رہا ہے، شاہ صاحب مرحوم نے تحریک خلافت سے لے کر تحریک تحفظ ختم نبوت تک جو عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں، قوم کبھی انہیں فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ حق گوئی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ میں برہنہ تلوار تھے۔'' (ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۰ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ بحوالہ الھند الدیوبندی صفحہ ۴۰)

☆... مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''وہ مردِ مجاہد اپنے دور کی تمام حریف طاقتوں سے عمر بھر پنجہ آزما رہا، کبھی کسی سے مات نہ کھائی اور کسی کے سامنے ایک لمحہ کے لیے سرنگوں نہ ہوا۔ لیکن عزرائیل کے مقابلے میں شکست کھا گیا اور فرشتہ اجل نے موت کا پیغام دیا تو سر جھکا دیا۔ موت کی تمہید بھی بڑی طولانی تھی جو فالج، لقوہ اور یرقان کے انتہائی الجھے ہوئے عنوانات پر سات سال تک پھیلی چلی گئی۔ بالآخر قمری حساب سے اکہتر اور شمسی حساب سے عمر کی تقریباً ستر منزلیں طے کر کے ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ (۲۱ اگست ۱۹۶۱ء) کے شام کو چھ بج کر پچپن منٹ اس عالی مرتبت شخص کی کتابِ حیات کا آخری ورق ختم ہو گیا اور اللہ ذوالجلال کی بارگاہ اعلیٰ وارفع سے مسرت انگیز ندا آئی:

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی. '' (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۸)

☆... حافظ ریاض احمد عاقب صاحب اختر راہی سے نقل کرتے ہیں۔

''آپ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ/۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں فوت ہوئے۔ جلال باقری قبرستان نزد باغ لانگے خان میں مدفون ہوئے۔ (مولانا عبدالتواب ملتانی صفحہ ۱۱۴)

''مولائے کریم اس مردِ حُر کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت عنایت کرے۔ (آمین یارب العالمین)'' (مولانا عبدالتواب ملتانی صفحہ ۱۱۵)

☆... مولانا حنیف ندوی صاحب لکھتے ہیں۔

''یہ خوشی کی بات ہے کہ شاہ صاحب کی موت پر قریب قریب ہر حلقے نے اظہارِ افسوس کیا ہے اور ان کی خدمات کے پیش نظر ایسا ہونا بھی چاہیے تھا۔'' (ارمغانِ حنیف صفحہ ۱۸۴)

شادی مبارک: خالد محمود اور ان کے بھائی حافظ محمد ریاض (چک ۴۶ ڈی این بی، لطیف آباد) کی شادی ہوگئی ہے، ہم انہیں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

مسلمان کو اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہیے، مایوس تو وہ ہو جس کا رب نہ ہو۔ (بنت عباس، شادمان کالونی)

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین قسط:۲۶

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ (۱۱)

جمع و ترتیب: رب نواز، احمد پور شرقیہ

مجلس احرار

☆...مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۲ء کے آخر میں مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کی تحریک شروع ہوئی۔اس کے لیے ایک مجلس عمل (ایکشن کمیٹی) بنائی گئی تھی۔....۱۹۵۳ء کے شروع میں مجلس عمل کے تمام ارکان (مولانا داود غزنوی کے سوا) گرفتار کر لیے گئے تھے اور لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا تھا۔اس کا ایڈمنسٹر جنرل اعظم خان کو مقرر کیا گیا تھا۔یہ پہلا مارشل لاء تھا جس سے پاکستان کے لوگ آشنا ہوئے۔اس کے بعد مارشل لاؤں کی قطاریں لگ گئیں۔اس اعتبار سے لاہور کے مارشل لاء آئندہ مارشل لاآن کی ریہرسل بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور تمہید بھی۔!" (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۴۶)

☆...بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"انہوں نے آرام وراحت کے بجائے تکلیف واذیت کی راہ اپنائی اور اس وقت انگریز کے قلعہ اقتدار میں شگاف ڈالنے کے لیے میدان میں اترے، جب اس کے خلاف زبان سے کوئی لفظ نکالنا اپنے آپ کو بے پناہ مصائب کے سپرد کردینے کے مترادف تھا، انہوں نے اس دور میں سلطان جائر کے سامنے آزادی وحریت کا کلمہ حق بلند کیا، جب اس کے صلے میں طوق وسلاسل کی گراں باریوں کو انگیز کرنا لازمی قرار پایا تھا۔ انہوں نے تحریک ہجرت میں حصہ لیا، تحریک خلافت میں قربانیاں دیں اور پھر اس محاذ پر دادِ شجاعت دی جس سے انگریز کے پندار استعمار کو گزند پہنچ سکتا تھا۔ بلاشبہ ان کی سیاسی خدمات کا سلسلہ بہت طویل اور انتہائی دردناک ابواب پر مشتمل ہے۔" (نقیب ختم نبوت:۵۵۴)

☆...مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"مجلس احرار کے قیام کے بعد جس کے بانیوں میں خود شاہ جی بھی تھے۔ وہ زندگی کے آخر لمحوں تک مجلس احرار سے وابستہ رہے۔اس میں یا تو درمیانے درجے کے لوگ شامل تھے یا غریب ونادار۔امیرے خیال میں اس جماعت میں صرف ایک چوہدری، ایک نواب زادہ اور ایک صاحب زادہ تھے جب کہ بعض دوسری سیاسی جماعتوں میں نوابوں اور نواب زادوں اور صاحب زادوں اور چوہدریوں اور سیٹھوں اور خان بہادروں اور سرکاری خطاب یافتوں کی لائنیں لگی ہوئی تھیں۔(نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۴)

☆...بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"احرار کے نواب زادہ اور صاحب زادہ (نواب زادہ نصر اللہ خاں اور صاحب زادہ فیض الحسن) کو میں نے مجلس احرار کے مرکزی دفتر لاہور میں پہلی مرتبہ ۱۹۴۷ء میں اس وقت دیکھا تھا، جب صوبہ بہار میں فسادات کا زور تھا۔اور ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔اور غریب مجلس احرار کے قائم کردہ جہاد فنڈ میں غریب لوگ چندہ جمع کراتے تھے۔میں بھی اپنے وطن کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ، مشرقی پنجاب) کے غریب مسلمانوں کی طرف سے تین سو ساٹھ روپے کی غریبانہ رقم جمع کرانے کے لیے مجلس احرار کے دفتر (لاہور) آیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس رقم کی رسید ثناء اللہ بھٹہ نے دی تھی اور انہی کے اس پر دستخط تھے۔" (نقیب ختم نبوت: امیر شریعت نمبر ۵۵۴)

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۲۷

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ (۱)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

حضرت کی یاد میں فکر مندی

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''غالباً ۱۹۵۵ء کی بات ہے کہ ایک دن مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے ایک صاحب کو ٹیلی فون کیا: ''صوفی صاحب! میں داؤد غزنوی بول رہا ہوں۔ آپ یہ بتائیے کہ حضرت کب تشریف لائیں گے؟''

انہوں نے جو جواب دیا وہ تو ظاہر ہے میں سُن نہیں سکتا تھا، البتہ ان کے جواب میں مولانا نے فرمایا: ''اچھا جب وہ تشریف لائیں، مجھے آپ ضرور اطلاع دیں .... یاد رہے گا آپ کو؟ ڈائری میں لکھ لیجیے۔''

پھر پوچھا ''حضرت کی صحت کیسی ہے ....؟ ٹھیک ہیں ....؟'' اس سوال کا انہوں نے جو جواب دیا، اس پر فرمایا: ''الحمدللہ''

اس کے بعد ادھر اُدھر کی چند باتیں کیں اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ اب مولانا غزنوی میری طرف متوجہ ہوئے فرمایا: یہ صوفی عبدالحمید تھے۔ میں نے ان سے مولانا عبدالقادر رائے پوری کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ لاہور کب تشریف لائیں گے۔ صوفی عبدالحمید ان دنوں پنجاب کی سیاست کے مشہور رکن اور صوبے کے وزیر زراعت و خوراک تھے۔ جنگلات کا محکمہ بھی ان کے پاس تھا اور وہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ ان کا تعلق پنجاب مسلم لیگ کے ممتاز دولتانہ گروپ سے تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۲۶۷)

رائے پوری صاحب کے مرید کا تذکرہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''وہ پنجاب کی سیاست کے بڑے متحرک اور فعال رکن تھے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا عبدالقادر رائے پوری کے مخلص ترین مرید تھے۔ چہرے پر اچھی خاصی داڑھی اور خالص مشرقی لباس ....! مولانا غزنوی نے جب صوفی صاحب سے ٹیلی فون پر مولانا رائے پوری کی لاہور تشریف آوری کے بارے میں پوچھا تھا، اس وقت صوفی صاحب پنجاب کی وزارت شامل تھے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۲۶۸)

وزیر کے گھر آمد

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''ہم غریب غرباء کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ وزیروں، امیروں اور دولت مندوں کو نیکی سے یا نیک لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ نیک اور متقی وہ لوگ ہیں جو نہ اچھا لباس پہننے کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ انہیں اچھی خوراک میسر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ پانچ سو سال پہلے بہشت میں جائیں گے اور دولت مند جو اس دنیا میں آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے ہیں، اگلے جہان مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور ہماری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے .... اس خیال کے پیش نظر میں نے مولانا غزنوی سے عرض کیا:

''مولانا رائے پوری لاہور میں ایک وزیر کے گھر قیام فرمائیں گے؟ وزیر کو نیکی سے یا نیک لوگوں سے کیا واسطہ ....؟'' مولانا کو کسی عالم فاضل اور متدین و متقی کے گھر قیام کرنا چاہیے۔''

مولانا غزنوی میری بات پر مسکرائے اور فرمایا: ''کس عالم فاضل یا متقی کے گھر ٹھہرنے کو جگہ کہاں ہے؟ پھر فرمایا: صوفی عبدالحمید نیک آدمی ہیں اور مولانا رائے پوری کے پرانے عقیدت مند ہیں۔ ان کے بزرگ بھی ان سے علاقہ ارادت رکھتے تھے۔ (ہفت اقلیم صفحہ ۲۶۹)

طعنہ زنی کا اثر گہرے زخم جیسا ہے، جس کے بھر جانے کے بعد بھی نشان باقی رہتا ہے۔ ۞ بنت امتیاز، دار العلوم فتحیہ للبنات ۞

رب نواز، احمد پور شرقیہ

شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ (۲)

لاہور میں آمد

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

مولانا (داود غزنوی صاحب) تشریف لائے اور فرمایا: آپ کو یاد ہے میں نے ایک دن صوفی عبدالحمید کو ٹیلی فون کیا تھا کہ جب مولانا عبدالقادر رائے پوری تشریف لائیں تو مجھے اطلاع دیں۔ آج ان کا ٹیلی فون آیا ہے کہ مولانا رائے پوری تشریف لے آئے ہیں اور ان کے مکان پر قیام فرما ہیں۔ میں نے صوفی صاحب سے کہا ہے کہ میں مغرب کی نماز ان کے ہاں پڑھوں گا آپ میرے ساتھ چلیں گے؟ میں نے عرض کیا: ضرور چلوں گا۔ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجھے یاد فرمایا اور اپنے ساتھ لے جانے کی خوش خبری سے نوازا۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۰)

حضرت کی خدمت میں حاضری

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"سردیوں کے دن تھے۔ غروب آفتاب سے تقریباً پون گھنٹہ قبل مولانا نے اپنے ملازم محمد عمر سے تانگہ لانے کو کہا۔ مغرب سے تھوڑی دیر پہلے ہم صوفی عبدالحمید کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۰)

بے شمار لوگ زیارت کے لیے آئے

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"صوفی صاحب وارث روڈ پر رہتے تھے۔ بہت بڑی کوٹھی تھی لیکن لوگ بھی بے شمار تھے جو مولانا رائے پوری کی وجہ سے وہاں آئے تھے۔ یوں تو پنجاب کے ہر ضلعے اور علاقے کے لوگ وہاں موجود تھے لیکن ان کے لباس اور قد و قامت سے پتا چلتا تھا کہ ان میں ضلع سرگودھا اور میاں والی کے باشندے زیادہ ہیں۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۰)

لوگوں کا ہجوم

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"پہلے ہم سمجھتے تھے کہ نیک اور متقی لوگوں کو انہی لوگوں کے ہاں قیام کرنا چاہیے جنہیں معروف اور متعارف معنوں میں نیک اور متقی کہا جاتا ہے یعنی جن کا زیادہ وقت مسجدوں میں گزرتا ہے اور جو چھوٹے چھوٹے کچے گھروں میں رہتے ہیں۔ لیکن اب پتا چلا کہ ہمیشہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بعض ایسے اصحابِ اتقا اور اہل اللہ بھی ہیں جو جہاں جائیں لوگوں کا ہجوم جمع ہو جاتا ہے اور وہ چلیں تو ایک بارات ان کے ساتھ چلتی ہے۔ ان لوگوں کے قیام و طعام کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس سے ہر نیک آدمی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے اصحابِ ثروت کی بہر حال ضرورت ہوتی ہے۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۰)

زیارت سے بہرہ مند

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"اب یہ تو یاد نہیں رہا کہ صوفی عبدالحمید سے وہاں ملاقات ہوئی یا نہیں، البتہ مولانا عبدالقادر رائے پوری کو سلام کرنے اور ان کی زیارت سے بہرہ مند ہونے کا خوب موقع ملا۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۰)

دیوبندی امام کی اقتدا میں نماز

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

"نماز مغرب میں ابھی کچھ دیر تھی۔ ہم پہلی صف میں چلے گئے، وہیں مولانا رائے پوری تشریف فرما تھے۔ مولانا غزنوی نے ان کو سلام کیا، وہ کھڑے ہو کر ملے اور بغل گیر ہوئے۔ مجھے بھی یہی سعادت حاصل ہوئی۔ ابھی بیٹھ کر خیر و عافیت ہی پوچھی تھی کہ اذان مغرب کی آواز گونجی۔ امام کے پیچھے صف اول میں مولانا رائے پوری کے دائیں جانب مولانا غزنوی اور بائیں جانب یہ عاجز تھا۔" (ہفتِ اقلیم صفحہ ۴۷۱)

اہل حدیث کا علماء دیوبند کو خراج تحسین قسط:۲۹

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۳)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

پہلا اور آخری دیدار

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''نماز سے تھوڑی دیر بعد مولانا رائے پوری اُٹھ کر بالکل سامنے کے کمرے میں گئے۔ مولانا غزنوی ...نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں مولانا کے کمرے میں چلا جاؤں۔ چنانچہ میں اُٹھا اور مولانا رائے پوری کے بالکل سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ یہ ان کا پہلا اور آخری دیدار تھا جو اس عاجز کو نصیب ہوا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ۱۷۴)

حلیہ مبارک

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''سانولا رنگ، میانہ قد، بھاری بھر کم جسم، کھلا چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، سفید چمکتے ہوئے دانت، اُبھرا ہوا ناک، گھنی داڑھی'' (ہفت اقلیم:۱۷۴)

لباس

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''اور سر پر کپڑے کی ٹوپی۔ سفید لباس پر گرم چادر اوڑھے ہوئے۔ پہلے تو گاؤ تکیے پر ٹیک لگائے چند منٹ آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہے۔ پھر رضائے الٰہی سے متعلق تقریر کرنے لگے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ۱۷۴)

رضا الٰہی کا درس

بھٹی صاحب آگے حضرت کی تقریر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ارشاد ہوا، اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کوشش کرنا اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ بلکہ اس کی بے شمار نعمتوں میں سے اصل نعمت یہی ہے۔ جس کو یہ نعمت حاصل ہوگئی، وہ دنیا میں بھی کامیاب اور آخرت میں بھی کامران ...رضائے الٰہی کا حصول مشکل بھی ہے اور آسان بھی۔ جو لوگ ذکرِ خدا میں کوتاہی کرتے ہیں ان کے لیے اس نعمتِ عظمیٰ کو پا لینا مشکل ہے اور جو لوگ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں، وہ آسانی سے اس منزل تک پہنچ جاتے ہیں۔'' (ہفت اقلیم صفحہ۱۷۴)

پیارا موضوع اور اثر پذیر گفتگو

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''اس قسم کی انہوں نے بہت سی باتیں بیان کیں۔ یہ اتنا پیارا موضوع تھا اور مولانا رائے پوری اس کے نکات بیان فرما رہے تھے کہ میرے جیسا بے عمل اور معصیت زدہ بھی اس سے اثر پذیر ہو رہا تھا۔ چند منٹ انہوں نے اس موضوع پر گفتگو فرمائی تھی کہ خاموش ہوگئے خیال تھا کہ ابھی اس ضمن میں کچھ دوبارہ فرمائیں گے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ۱۷۴)

عمدہ گفتگو

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''اتنے میں ان دو آدمیوں میں سے جو مولانا رائے پوری کے بعد ان کے کمرے میں داخل ہوئے تھے ایک نے افغانستان کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ افغانستان بھی اسلامی ملک ہے اور پاکستان بھی، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ افغانستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کیوں ٹھیک نہیں ہیں.....مجھے اس شخص کی یہ بات سخت ناگوار گزری۔ مولانا رائے پوری نہایت عمدہ گفتگو فرما رہے تھے، لیکن اس شخص نے

سیاسی بات شروع کر کے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ جی چاہتا تھا کہ اس سے عرض کیا جائے کہ سیاسی بات چیت کسی دوسرے موقعے پر کی جائے، یہ وقت رضائے الٰہی کے متعلق حضرت کے ارشاد سننے کا ہے۔ بہرحال گفتگو کا موضوع بدل گیا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۷۲)

بابرکت مجلس، موثر اور دل آویز باتیں

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''بہرکیف میں کم وبیش پون گھنٹہ مولانا رائے پوری کی خدمت میں رہا۔ ان کی مجلس بلاشبہ بابرکت مجلس تھی اور ان کی باتیں موثر اور دل آویز تھیں۔ وہ میٹھے انداز سے بات کرتے اور دھیمے اسلوب میں بولتے تھے۔ ان کی گفتگو میں روانی بھی تھی اور شیرینی بھی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۷۳)

سعادت کا کھانا

بھٹی صاحب آگے نماز عشاء کے بعد کے معمول کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''نماز سے فارغ ہوئے تو کھانا آ گیا۔ کھانا کیا تھا، گیہوں کا دلیا۔ بہت سے آدمی تھے۔ وہ منظر اب بھی پیش نگاہ ہے۔ کم سے کم ڈیڑھ سو افراد ہوں گے۔ سب کے سامنے دلیے کی ایک ایک پلیٹ رکھ دی گئی۔ ہم تینوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ہمارے سامنے بھی تین پلیٹیں آ گئیں۔ مولانا غزنوی نے مجھ سے فرمایا: کھایئے! یہ سعادت پھر کہاں نصیب ہوگی اور حضرت کے ساتھ کھانے کا موقع کب میسر آئے گا...اور واقعی یہ بہت عمدہ موقع تھا۔ اس کے بعد یہ موقع نہیں آیا۔ یہ پہلا موقع بھی تھا اور آخری بھی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۷۳)

مولانا داود غزنوی رائے پوری کی خدمت میں

ٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''کھانے کے بعد انہوں مولانا غزنوی سے چند باتیں کیں اور پھر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے۔ مولانا غزنوی بھی ان کے پاس چلے گئے۔ میرے خیال کے مطابق گھنٹے سوا گھنٹے کے بعد مولانا غزنوی باہر نکلے اور مجھ سے فرمایا آپ اکتا تو نہیں گئے؟ آیئے چلیں۔ (ہفت اقلیم صفحہ ۴۷۴)

مولانا عطاء اللہ رائے پوری کی خدمت میں

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''دوسرے دن حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا: کل مولانا غزنوی اور تم مولانا رائے پوری سے ملے تھے؟ میں نے جواب دیا: جی ہاں ملے تھے۔ فرمایا، ان سے کیا باتیں ہوئیں؟ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور بتایا مولانا غزنوی علیحدگی میں کافی دیر ان کے پاس رہے۔ اس سے دوسرے یا تیسرے دن مولانا عطاء اللہ صاحب نے بتایا کہ وہ بھی مولانا رائے پوری کی خدمت میں گئے تھے۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ مولانا عبدالقادر رائے پوری کا دائرہ بیعت بہت وسیع تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۷۴)

پرہیزگار بزرگ

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں۔

''بابو عبدالغنی نے بتایا کہ ضلع سہارن پور میں ایک قصبہ رائے پور کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں ایک عالم دین رہتے ہیں جن کا نام مولانا عبدالقادر ہے۔ وہ اس دور کے بہت بڑے صوفی اور پرہیز گار بزرگ ہیں۔ دیوبندی مسلک کے حامل ہیں اور بے شمار لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہیں۔'' (ہفت اقلیم: ۴۷۰)

اعلان: حسب سابق شعبان ورمضان کی چھٹیوں میں سکول اور مدارس کی طالبات کے لیے جامعہ رشیدیہ، جامعہ فتحیہ، جامعہ زینب اور جامعہ آمنہ میں اسلامی کورس کرائے جائیں گے۔

اہل حدیث کا علماء دیوبند کو خراج تحسین قسط:۳۰

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۴)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

رائے پوری صاحب کے خادم

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے انہوں (بابو عبدالغنی) نے کہا کہ میرا یہ لڑکا عبدالمنان بہت عرصہ ہوا مولانا رائے پوری کے پاس چلا گیا تھا۔ یہ ان کے خادم کی حیثیت سے وہاں رہتا ہے اور وہ اس پر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ یہ بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ بھی اس کے بغیر پریشان ہو جاتے ہیں۔ یہ تھے وہ الفاظ جو میں نے پہلی دفعہ مولانا رائے پوری کے بارے میں سنے تھے اب اختصار کے ساتھ ان کے حالات ملاحظہ فرمائیں۔'' (ہفت اقلیم:۴۷۸)

رائے پوری خاندان

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولانا عبدالقادر رائے پوری کا خاندان درحقیقت موضع ''تھوہا محرم خاں'' کا رہنے والا جو ضلع کیمبل کی تحصیل تلاگنگ میں واقع ہے۔ ان کا تعلق وہاں کی راجپوت برادری سے تھا۔'' (ہفت اقلیم:۴۷۸)

رائے پوری خاندان کے پہلے مشہور اہلِ علم

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''اس خاندان کے پہلے شخص جنہوں نے حلقۂ اہلِ علم میں شہرت پائی، مولوی عبدالرحیم تھے۔ یہ مغلیہ عہد کی بات ہے۔ مولوی عبدالرحیم کے تین بیٹے تھے اور تینوں عالم دین تھے۔'' (ہفت اقلیم:۴۷۹)

رائے پوری صاحب کے چچا اور دادا

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''مولوی محمد اکرم کے چار بیٹے تھے۔ ا۔ مولوی محمد احسن ۲۔ مولوی کلیم اللہ عرف ٹوپی والا ۳۔ مولوی محمد یٰسین ۴۔ سب سے چھوٹے حافظ احمد تھے اور یہ مولانا عبدالقادر کے والد تھے۔ یہ چاروں بھائی علوم دین کے عالم، واعظ اور پرہیز گار بزرگ تھے اور اپنے علاقے میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ کسی سے لڑائی نہ جھگڑا'' (ہفت اقلیم:۴۸۰)

رائے پوری صاحب کے ننھیال

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''حافظ احمد کی پہلی شادی ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں ''دھکواں'' میں ہوئی تھی جو ان کے گاؤں ڈھڈیاں سے چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس بیوی سے ایک بیٹی ہوئی، کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی۔ ساٹھ برس کی عمر پہنچے تو ایک بزرگ کے کہنے پر موضع للیانی (ضلع سرگودھا) کے ایک زمیندار خاندان میں دوسری شادی کرلی۔ اس نیک بخت خاتون سے جن کا انتقال ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ہوا، حافظ احمد کے تین بیٹے ہوئے اور وہ یہ تھے۔ ا۔ مولانا عبدالقادر ۲۔ حافظ عبدالعزیز ۳۔ حافظ محمد طفیل... اور ایک بیٹی'' (ہفت اقلیم:۴۸۰)

رائے پوری صاحب کے والد

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

''حافظ احمد پرہیز گار بزرگ تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے قرآن مجید پڑھا اور حفظ کیا۔ منقول ہے کہ ان کی وفات کے وقت کم عمر صاحب زادی سورہ یٰسین پڑھنے لگیں۔ انہوں نے روک دیا اور اپنے

وعدہ خلافی کا عادی انسان اپنی قدر کھو بیٹھتا ہے۔ ﴿بنت عبدالغفور، جامعہ رشیدیہ للبنات﴾

شاگرد حافظ روشن دین کو پڑھنے کا حکم دیا۔ حافظ صاحب نے تلاوت شروع کی، آیت بلیٰ وھو الخلاق العلیم پر پہنچے تو رک کے دیکھیں حافظ احمد صاحب حسب عادت لقمہ دیتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے لقمہ دیا اور اس طرح آواز آئی جیسی کنویں کے اندر سے آتی ہے آخر کی آیت فسبحن الذی بیدہ ملکوت کل شیء والیہ ترجعون خود پڑھی اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔" (ہفت اقلیم:۴۸۱)

تدین وتقویٰ میں شہرت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"ہمارے ممدوح مولانا عبدالقادر انہی عالی مرتبت بزرگ حافظ احمد کے فرزند گرامی قدر تھے، جنہوں نے آگے چل کر تدین وتقویٰ کے اعتبار سے بڑا نام پایا اور جن کے حلقۂ ارادت نے بڑی وسعت اختیار کی" (ہفت اقلیم:۴۸۱)

رائے پوری صاحب کا سنِ ولادت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"مولانا عبدالقادر ۱۸۷۳ء (۱۲۹۰ھ) کے پس وپیش موضع ڈھڈیاں (ضلع سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔" (ہفت اقلیم:۴۸۱)

رائے پوری صاحب کا پہلا نام

بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"والدین نے ان کا نام غلام جیلانی رکھا تھا۔ ایک عرصہ تک انہیں اسی نام سے پکارا جاتا رہا۔ جب وہ رائے پور جا کر مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے ان کا نام پوچھا، فرمایا: آپ تو عبدالقادر ہیں۔ اس وقت سے یہی نام مشہور ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود کہا جاتا ہے کہ ان کے آبائی علاقے کے اب بھی بہت سے لوگ انہیں غلام جیلانی کے نام سے جانتے ہیں اور کاغذات میں یہی نام لکھا ہوا ہے۔" (ہفت اقلیم:۴۸۱)

[قارئین الفتحیہ کے منتخب اشعار]

اک مختصر سی وجہ ہے میرے جھک کے ملنے کی
مٹی کا بنا ہوں غرور جچتا نہیں مجھ پہ
(اختِ بابر، جامعہ رشیدیہ للبنات)

یہ عبث ہی میں نے گزار دی، مزا زندگی کا نہ پا سکا
کٹی عمر فسق میں اے خدا! تیرے آگے سر نہ جھکا سکا
(امِ حسان، جامعہ زینب للبنات)

نادان ہیں جو ہر کسی کو سمجھتے ہیں اپنا غالب
اک ذات خدا کے سوا کوئی کسی کی نہیں
(ق: اختِ سفیان، جامعہ زینب للبنات)

پھیلے ہوئے ہاتھوں کو حقارت سے نہ دیکھ
ہر شخص کی چوکھٹ پر گدا گر نہیں آتے
(بنت مولانا دادِ، چکوال)

منور! ماں کے آگے یوں کبھی کھل کر نہیں رونا
جہاں بنیاد ہو اتنی نمی اچھی نہیں ہوتی
(اُم شہیر، کراچی)

تم جسم کے خوش رنگ لباسوں پر ہو نازاں
میں روح کو محتاجِ کفن دیکھ رہی ہوں
(اُختِ نعیم الرحمٰن: اوگی، مانسہرہ)

غیر تو پھر غیر تھے اپنے بھی اب اپنے نہیں
لیجئے قسمت سے آٹا اور گیلا ہوگیا
(از طرف، یا اللہ مدد جیولری)

اک آتا ہے اک جاتا ہے دنیا رام کہانی ہے
آج مرے کل دوسرا دن، دنیا آخر فانی ہے
(قاری ظفر، مدرسہ تحفیظ القرآن اسلام پورہ)

آتے ہوئے اذان ہوئی اور جاتے وقت ہوئی نماز
اتنے قلیل وقت میں آئے اور چلے گئے
(بنتِ محمد یونس قریشی، جامعہ رشیدیہ للبنات)

اے خدا باقی ہے تو، اپنی محبت دے ہمیں
دیکھ لی فانی ہے دنیا، اس سے نفرت دے ہمیں
(س: بنتِ شبیر، جامعہ رشیدیہ للبنات)

☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل حدیث کا علماء دیوبند کو خراج تحسین قسط: ۳۱

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۵)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

بہت سی خوبیوں کے مالک

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"بچپن میں ان کا رنگ کافی سانولہ تھا، لیکن باپ کو اپنے سب بیٹوں میں زیادہ محبت ان سے تھی۔ بعض لوگ ان سے پوچھتے کہ آپ اپنے خوب صورت لڑکوں سے اتنی محبت کیوں نہیں کرتے، جتنی اس سانولے رنگ کے لڑکے سے کرتے ہیں؟ وہ جواب دیتے، اس سانولے لڑکے میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔" (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۲)

ابتدائی تعلیم

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے چچا حافظ محمد یسین اور مولانا کلیم اللہ صاحب سے پائی۔ مولانا کلیم اللہ سے ہی قرآن مجید حفظ کیا۔ ڈھڈیاں کے قریب ایک گاؤں بھرت شریف اور ایک قصبہ جھاوریاں ہے۔ بھرت شریف کے رہنے والے ایک عالم دین مولانا محمد خلیل تھے جو اس دور میں اس نواح کے بڑے عالم مانے جاتے تھے، وہ جھاوریاں میں پڑھاتے تھے اور اس کا کسی سے معاوضہ نہیں لیتے تھے، عبدالقادر نے ان سے بعض ابتدائی درسی کتابیں پڑھیں جو اس زمانے میں عربی مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں۔" (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۲)

حصول علم کا شوق موجزن

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"اب ان کے دل میں حصول علم کا شوق موجزن ہو چکا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ اس کے لیے امرتسر، دہلی اور یوپی کے اساتذہ سے استفادہ کیا جائے۔ اس عہد میں دہلی کو علم و علماء کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی لیکن پہلے امرتسر گئے... پھر سہارن پور کا رخ کیا اور مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے۔ سہارن پوری کے فرزند گرامی مولانا حبیب الرحمن بھی وہاں تشریف فرما تھے، ان سے بھی استفادہ کیا۔ سہارن پور کی ایک مسجد میں کچھ عرصہ امامت بھی کی۔ غالباً وہیں پہلی مرتبہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ چند سال بعد حالات نے ایسی کروٹ لی کہ انہی کے آستانۂ فیض میں جا کر بیٹھ گئے۔" (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۲)

دیگر چند اساتذہ

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"سہارن پور سے پانی پت کا عزم کیا۔ یہ ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) کے لگ بھگ کی بات ہے۔ پانی پت میں تھوڑا عرصہ کام ہی قیام رہا۔ وہاں مولانا محمد یحیٰی صاحب درس میں بھی شامل رہے۔ پانی پت سے رام پور کے لیے شدِ رحال کیا۔ وہاں کے بعض اساتذہ سے بھی مستفید ہونے کا موقع ملا۔" (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۲)

وفات کی غلط خبر

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

"رام پور سے ان کے کسی دوست نے ان کے والدِ گرامی حافظ احمد صاحب کو ڈھڈیاں خط لکھ دیا کہ غلام جیلانی (یہ شاہ صاحب کا پہلا نام ہے) کا انتقال ہو گیا ہے۔ ان کو پتہ چلا تو والد کے نام خط تحریر فرمایا کہ میں زندہ ہوں، آپ فکر نہ کریں۔ لیکن والدین کو سخت پریشانی ہوئی اور اسی پریشانی میں ان کے والد رام پور پہنچے تو بیٹے کو دیکھ کر اور مل کر نہایت خوش ہوئے۔" (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۳)

☆☆☆☆☆☆☆☆

اہل حدیث کا علماء دیوبند کو خراج تحسین قسط:۳۲

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۶)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

دوران تعلیم گھر خط وکتابت

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''حافظ احمد صاحب چند روز رام پور بیٹے کے پاس رہے، پھر واپس چلے گئے۔ جاتے ہوئے یہ وعدہ لیا کہ سعادت مند بیٹا اپنی خیریت وعافیت کی اطلاع بذریعہ خط دیتا رہے گا۔ چنانچہ وہ رام پور سے بالالتزام والد کو خط لکھتے تھے اور جو درسی کتابیں پڑھتے ان کے نام بھی خط میں تحریر فرمادیتے۔ حافظ صاحب وہ خط لے کر مولانا محمد طفیل کے پاس جھاوریاں جاتے اور ان سے پوچھتے کہ یہ کون سی کتابیں ہیں جن کے بارے میں غلام جیلانی نے لکھا ہے کہ وہ استادوں کے پاس پڑھ رہا ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۳)

حضرت کشمیری کی شاگردی میں

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''ان دِنوں دہلی کی سنہری مسجد میں مدرسہ امینیہ قائم تھا جس میں مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کا سلسلہ درس جاری تھا، مولانا عبدالقادر اس میں بھی شریک ہوئے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۴)

فنِ طب سے آشنائی

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''بانس بریلی کے ایک طبیب حکیم مختار احمد صاحب سے طب کی کتابیں پڑھیں۔ ان کا خیال تھا کہ طبابت کو ذریعۂ معاش بنایا جائے گا، چنانچہ کسی دوست کے کہنے سے ضلع بجنور کے ایک مقام افضل گڑھ میں یہ سلسلہ شروع بھی کردیا جو تقریباً چھ مہینے جاری رہا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۴)

بیعت ہونے کی تمنا

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''اس اثنا میں طبیعت میں عجیب قسم کی لہریں اٹھنے لگیں اور دل میں جذب وانجذاب کی کیفیت کروٹ لینے لگی۔ اس زمانے میں میں مشرقی پنجاب کے اکثر مقامات میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالرحیم کے دوروں کا سلسلہ جاری تھا۔ ان کے بعض ارادت مندوں سے مولانا عبدالقادر کی ملاقات ہوچکی تھی اور ان کی زبانی شاہ صاحب کے متعلق بہت سی باتوں کا انہیں پتا چلا تھا۔ اس غائبانہ تعارف کی بناپر انہوں نے افضل گڑھ سے مولانا عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں خط لکھا، جس میں عرض کیا کہ میں بیعت کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں مولانا رشید احمد گنگوہی کے آستانۂ سلوک پر حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ انہوں نے پھر خط لکھا کہ میں آپ ہی کے دامن تصوف سے وابستہ ہونے کا متمنی ہوں۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۵)

مولانا شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''بہرحال وہ رائے پور تشریف لے گئے اور مولانا شاہ عبدالرحیم سے درخواست کی کہ وہ انہیں اپنے حلقۂ بیعت میں شامل فرمالیں۔ انہوں نے جواب دیا: اتنی جلدی کیا ضرورت ہے، پہلے استخارہ کرلو۔ مولانا عبدالقادر اپنے وطن ڈھڈیاں جانا چاہتے تھے۔ فرمایا پہلے وطن جاؤ، واپس آؤ گے تو بیعت بھی ہوجائے گی۔ جاتے وقت کچھ وظائف بھی بتادیئے، جو وہ ڈھڈیاں میں بالالتزام پڑھتے رہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۵)

اہل حدیث کا علماءِ دیوبند کو خراجِ تحسین قسط:۳۳

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۷)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ سے بیعت کا شرف

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''کچھ عرصے کے بعد واپس رائے پور آئے تو مولانا عبدالرحیم صاحب کی بیعت کا شرف حاصل کیا اور پھر مستقل طور پر وہیں قیام کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ۱۳۲۲ یا ۱۳۲۳ھ کا واقعہ ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۵)

ذکرِ خداوندی کا شغف

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رائے پور میں انہوں نے بڑی ریاضت کی، اور وظائف خوانی کی مختلف منزلوں سے گزرے۔ سلوک وتصوف کا یہ وہ دور تھا جب کھانے پینے کا کوئی خیال دل میں نہیں رہا تھا۔ ذکرِ خداوندی ان کا اوڑھنا بچھونا قرار دیا گیا تھا یا پھر مُرشد کی خدمت کرنا ایک ضروری مشغلہ تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۵)

چاہت پر حکم کو ترجیح

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''قیام رائے پور کے زمانے میں ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب نے ان کو مدرس کی حیثیت سے گمتھلہ (ضلع انبالہ) میں بھیج دیا۔ یہ راجپوتوں کا قصبہ تھا اور مولانا عبدالرحیم صاحب کی ایک صاحب زادی کی شادی اسی قصبے میں ہوئی تھی۔ مُرشد کی جدائی ان کے لیے بہت شاق تھی۔ ہر چند عرض کیا کہ اس فقیر کو اپنے سے الگ نہ کیجیے، لیکن حکم جاری ہوا کہ وہاں جانا ضروری ہے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ ماں اپنے بچے کو سینے سے چمٹائی ہے، پھر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ بچے کو طلب کے باوجود اس کو اپنے سے علیحدہ رکھتی ہے۔

کچھ عرصہ مرشد کے حکم پر وہ گمتھلہ میں خدمت تدریس سرانجام دیتے رہے۔ اس کے بعد مرشد نے اپنے پاس بلالیا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۶)

مُرشد کی رفاقت میں سفرِ حج

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''سفر وحضر میں عام طور پر دونوں اکٹھے رہتے تھے اور مولانا عبدالقادر رائے پوری اپنے آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم کا ادنیٰ خادم تصوّر کرتے تھے۔ ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) شاہ صاحب ممدوح نے سفرِ حج کا عزم فرمایا تو مولانا موصوف ان کے ہم رکاب تھے۔ اس بابرکت سفر میں جہاں انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مواقع میسر آئے وہاں شاہ صاحب کی قربت وخدمت کا اختصاص بھی حاصل ہوا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۶)

مُرشد کی بھرپور خدمت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''شاہ عبدالرحیم صاحب، بیماری میں مبتلا ہوئے تو مولانا نے ان کی بہت خدمت کی۔ یہ ان کی زندگی کی آخری بیماری تھی جو کم وبیش چھ سال کے طویل عرصے میں پھیل گئی تھی۔ علاج اور تیمارداری کے لیے یوں تو ان کے تمام رفقا وخدام سرگرم تھے، مگر مولانا عبدالقادر ان میں سب سے تیز اور مستعد تھے۔ ان کا انتقال ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ (۲۹ جون ۱۹۱۹ء) کی شب کو موضع پیلوں میں ہوا، جہاں وہ کچھ مدت سے مختلف معالجوں کے زیرِ علاج تھے... اس کے بعد مولانا عبدالقادر جو مولانا عبدالقادر رائے پوری کے نام سے معروف ہوگئے تھے، شاہ عبدالرحیم رائے پوری کے خلیفہ اور جانشین قرار پائے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۶)

غریب کے ساتھ احسان کرو کیونکہ غریب ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ [بنت عبدالغفور، جامعہ رشیدیہ للبنات]

قسط: ۳۴

اھلِ حدیث کا علماءِ دیوبند کو خراجِ تحسین

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۸)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

مرجع الخلائق

مولانا اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خلوص قلب، فضائل اخلاق، اور سب سے محبت و شفقت اور ذکر الٰہی میں انہماک و استغراق کی بنا پر رائے پوری کی خانقاہ بہت جلد مرجع خلائق بن گئی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۷)

حلقۂ بیعت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ عقیدت وارادت کا تعلق رکھنے والے لوگ ضلع سہارن پور اور اس کے قرب وجوار میں پہلے ہی کافی تعداد میں موجود تھے۔ان کی وفات کے بعد یہ سب لوگ مولانا عبد القادر کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان کے حلقۂ بیعت میں شامل ہونے لگے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۷)

رسول پاک کی تابعداری پر بیعت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''وہ بیعت توبہ کراتے ہوئے عام طور سے حسبِ ذیل الفاظ میں تلقین فرماتے ہیں۔

''کہو بسم الرحمن الرحیم ، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔یااللہ ہم توبہ کرتے ہیں کفر سے،شرک سے، بدعت سے، زنا، چوری سے، غیبت، جھوٹ بولنے سے،نماز چھوڑنے سے اور سب گناہوں سے جو ہم نے ساری عمر کیے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔اور اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ تیرے سارے حکم مانیں گے، تیرے رسول پاک کی تابعداری کریں گے۔ یااللہ تو ہماری توبہ قبول کر لے، ہمارے گناہ بخش دے۔ہمیں توفیق دے اپنی رضا مندی کی، اپنے رسول پاک کی تابعداری کی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۷)

خلافِ شریعت کاموں سے بچنے کی تلقین

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''توبہ کی اس تلقین کے بعد خاص طور سے فرماتے کہ نماز باجماعت کی پابندی کرنا، خلافِ شریعت کاموں سے بچتے رہنا، موت کو یاد رکھنا، مرنا ہے، یہاں سے چلے جانا ہے، وہاں عملوں کے سوا کچھ کام آئے گا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۷)

درود شریف پڑھنے کی ہدایت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''پڑھنے کے لیے کلمہ استغفار اور درود شریف پڑھنے کی ہدایت فرماتے۔ نیز ارشاد فرماتے کہ اللہ سے جتنا استغفار کیا جائے گا اور جس قدر کثرت سے درود شریف پڑھا جائے گا، اتنی ہی قلب میں صفائی پیدا ہوگی اور ذہن نکھرے گا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۷)

ہر وقت فیض حاصل کرنے والوں کا ہجوم

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رائے پور میں ان کی خانقاہ تھی جہاں ہر وقت فیض حاصل کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا اور یہی ان کی مستقل قیام گاہ تھی۔اس کے علاوہ ان کے دَوروں کا سلسلہ پاکستان اور ہندوستان میں جاری رہتا تھا ہر جگہ اور ہر مقام پر لوگ ان کے پاس جاتے اور ان سے اظہارِ عقیدت کرتے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۸)

اعتبار اور پیار دو ایسے پرندے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اُڑ جائے تو دوسرا خود ہی اُڑ جاتا ہے۔[بنت اکرام، جامعہ رشیدیہ للبنات]

قسط:۳۵ اہلِ حدیث کا علماءِ دیوبند کو خراج تحسین

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۹)

رب نواز، احمد پور شرقیہ

رائے پوری مجلس

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''علمائے کرام، کاروباری لوگ، سیاسی رہنما، مدرسین، مصنفین، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے اصحابِ علم، مختلف سرکاری دفاتر کے ملازمین اور اہلِ کار بہت بڑی تعداد میں ان کی مجلس میں حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔ وہ ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اس کے ذہن وفکر اور علم ولیاقت کے مطابق گفتگو فرماتے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۸)

علمی مقام

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''وہ فقط صوفی وسالک ہی نہ تھے، جید عالم دین اور تمام علوم سے بہرور تھے جو اُن کے عہد میں دینی مدارس میں پڑھائے جاتے تھے۔ اللہ اللہ وہ کیسے فاضل یگانہ اور اصحابِ علم وکمال لوگ تھے۔ وہ دَور ختم ہوگیا جس میں ان بزرگانِ عالی مرتبت نے پرورش پائی تھی اور وہ اساتذہ عرصہ ہوا اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئے جن سے ان کو شرفِ شاگردی حاصل تھا اور جن کی حُسنِ تربیت سے ان کو وہ مقام میسر آیا تھا، جواَب کسی کو حاصل ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔''
(ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۸)

علمی فوائد پر مشتمل مجلس

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رائے پور کی خانقاہ میں آنے والے لوگوں کو مناسب مواقع پر بعض مشہور مصنفین کی تصنیفات کے وہ واقعات پڑھ کر سنائے جاتے تھے، جن کا تعلق دَورِ گزشتہ کے بزرگان عالی مقام سے ہے۔ یہ نہایت مؤثر اور پُرکشش مجلس ہوتی تھی جس میں لوگوں کو بہت سے روحانی اور علمی فوائد حاصل ہوتے تھے۔.....مولانا رائے پوری کی طبیعت ناساز ہوتی تو بھی یہ سلسلہ جاری رہتا۔ ان کے خادم خاص مولانا عبدالمنان صاحب تھے، وہ ان کے حکم سے بعض کتابوں کے کچھ مقامات پڑھ کر لوگوں کو سناتے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۸)

خادمِ خاص

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''دوا، غذا ڈاک وغیرہ کا انتظام مولانا عبدالمنان کے سپرد تھا۔ وہ سفر میں بھی ان کے ہم رکاب ہوتے۔ تقریباً انیس سال وہ ان کی خدمت میں رہے اور اِسی خدمت کے لیے انہوں نے ہندوستان کی شہریت اختیار کی تھی۔ اصلاً وہ گوجراں والا کے رہنے والا تھے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، وہ اہل حدیث خاندان سے تعلق رکھنے والے تھے۔ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے فارغ التحصیل تھے۔ کچھ عرصہ بیشتر وہ راولپنڈی میں مقیم تھے اور مسجد میں بیٹھے اللہ اللہ کرتے تھے۔ اب معلوم نہیں کیا صورتِ حال ہے اور وہ کہاں ہیں۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۹)

حج کی سعادت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالقادر رائے پوری نے تین حج کیے۔ پہلا حج ۱۳۲۸ھ (۱۹۹۰ء) میں اپنے مرشد گرامی مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ کیا۔ دوسرے حج کی سعادت مرشد کی وفات کے بعد ۱۳۴۵ھ (۱۹۱۰ء) میں حاصل ہوئی۔ تیسرے اور آخری حج کے لیے ۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء) میں روانہ ہوئے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۸۸)

اعتبار اور پیار دو ایسے پرندے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اُڑ جائے تو دوسرا خود ہی اُڑ جاتا ہے۔ [بنت اکرام، جامعہ رشیدیہ للبنات]

قسط:۳۶

اہلِ حدیث کا علمائے دیو بند کو خراجِ تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

کتابوں سے لگاؤ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مختلف عنوانات کی بہت سی کتابوں سے ان کو لگاؤ تھا اور بڑے شوق سے ان کا خود مطالعہ کرتے یا کسی سے سنتے تھے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ:۴۸۹)

۱۹۴۷ء کے حالات

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء کا سال جہاں آزادی وحریت کی بے پناہ مسرتیں اور خوشیاں لے کر آیا، وہاں بے شمار مصائب وآلام بھی اس کے ساتھ آئے۔ پنجاب، دہلی اور یوپی کے بعض اضلاع میں مسلمانوں کے قتل و غارت کا جو بازار گرم ہوا اور غضب ونہب کی جو کیفیت رونما ہوئی، وہ برِ صغیر کی تاریخ کا نہایت تلخ اور اذیت ناک باب ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ:۴۸۹)

رائے پور کے مسلمان خطرات میں

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رائے پور مشرقی پنجاب کی سرحد سے صرف چار میل کے فاصلے پر تھا۔ اس اعتبار سے ضلع سہارن پوری کے مسلمان انتہائی خطرے میں گھرے ہوئے تھے۔ مشرقی پنجاب میں سکھوں کے قافلے اپنے گھر بار چھوڑ کر ادھر اُدھر گھومتے پھرتے تھے، کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ ان کی منزل کہاں ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ:۴۸۹)

مشکل وقت میں حوصلہ افزائی

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''مولانا رائے پوری کا آبائی مسکن پاکستان میں واقع تھا۔ ان کے رشتے دار اور عزیز واقارب یہیں تھے۔ لیکن خود مولانا رائے پوری طویل مدت سے ضلع سہارن پور کی بستی رائے پور میں سکونت پذیر تھے اور اس نواح میں ان کے عقیدت مند بہت بڑی تعداد میں آباد تھے جو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتے کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔ اگر مولانا کے قدم وہاں سے اُکھڑ جاتے تو خطرہ تھا کہ ضلع سہارن پور کے تمام مسلمان اس سے متاثر ہوتے اور مسلمانوں کا عام انخلاء شروع ہو جاتا۔ اس کے بعد سہارن پور سے متصل اضلاع مظفر نگر ھ، میرٹھ، بجنور اور پھر مراد آباد کے مسلمانوں میں بھی کمزوری کے آثار اُبھر آتے اور وہاں سے وہ رخت سفر باندھ لیتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ صوبہ یوپی سے اسلامی تہذیب اور دینی ثقافت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ:۴۹۰)

سنگین حالات میں صبر واستقامت کی تلقین

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اس وقت اس دور کی سنگینی کا تفصیلی تذکرہ کرنا مقصود نہیں۔ صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ پاکستان چلے جانا چاہیے، اور بعض کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یہاں رہ کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ بہر حال حملے کا ہر وقت خطرہ تھا اور لوگ سراسیمگی کی حالت میں مولانا رائے پوری کی خدمت میں آتے اور ان سے مستقبل کے لیے مشورہ طلب کرتے تھے۔ خود مولانا سخت پریشان تھے۔ ان خطرناک حالات میں وہ کئی دفعہ رائے پور سے سہارن پور گئے اور مسلمانوں کو صبر واستقامت کا مظاہرہ کرنے کی تلقین فرمائی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ:۴۹۰)

اگر زندگی کا سفر اتنا ہی آسان ہوتا تو دنیا میں کوئی بھی روتا ہوا نہ آتا [بنت باقر، جامعہ رشیدیہ للبنات]

قسط: ۳۷

اہلِ حدیث کا علمائے دیو بند کو خراجِ تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

مسلمانوں کے حالات کے لیے غور و فکر

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، مولانا عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''اس اذیت ناک دَور میں ۱۱ محرم ۱۳۶۷ھ [نومبر ۱۹۴۷ء] کو منگل کے روز سہارن پور میں مولانا محمد زکریا کے مکان پر مولانا عبد القادر رائے پوری، مولانا محمد زکریا اور مولانا سید حسین احمد مدنی نے تخلیے میں اس صورت حال پر باہم مشورہ کیا، جس سے مسلمان دو چار تھے۔ پورے غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ مسلمانوں کو ہر صورت میں یہاں رہنا چاہیے۔'' [ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۱]

رائے پوری صاحب کی شادی

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:''یہاں چلتے چلتے یہ بھی عرض کر دیں کہ مولانا رائے پوری کی شادی عالمِ جوانی میں اپنے چچا حافظ محمد یسین کی صاحب زادی... سے ہوئی تھی، لیکن جب وہ رائے پور پہنچے تو چند روز بعد گاؤں سے بیوی کے انتقال کی اطلاع آ گئی۔ اس کے بعد انہوں نے شادی نہیں کی اور ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔'' [ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۲]

وسیع حلقۂ ادارت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:''مولانا رائے پوری کا حلقۂ ارادت بہت وسیع تھا اور پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں ان کے عقیدت مند کثیر تعداد میں موجود تھے۔ پاکستان چونکہ ان کا آبائی وطن تھا، اس لیے وہ اکثر یہاں تشریف لاتے۔ اس نواح کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے اور بعض اوقات کئی کئی مہینے پاکستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں قیام فرماتے۔ ہندوستان کے بہت سے عقیدت مند بھی اس موقعے پر ان کی ہم رکابی کا شرف حاصل کرتے، جن میں وہاں کے متعدد معروف اہلِ علم شامل ہوتے۔'' [ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۲]

اسلامی مذاکرہ کی کاروائی کی سماعت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''جنوری ۱۹۵۸ء میں پنجاب یونیورسٹی [لاہور] میں حکومت پنجاب کے زیر اہتمام اسلامک کلوکیم [اسلامی مذاکرہ] منعقد ہوا تھا، جس میں شرق اوسط کے بہت سے ممتاز و معروف علماء نے شرکت کی تھی۔ ان دِنوں مولانا رائے پوری لاہور میں تشریف فرما تھے اور صوفی عبد الحمید کی کوٹھی [وارث روڈ] پر مقیم تھے۔ مولانا ممدوح کلوکیم کی کاروائی عام طور پر روزانہ شام کی مجلس میں ان لوگوں سے سنتے جو کلوکیم میں شریک ہوتے اور ملکی و غیر ملکی اہلِ علم سے ملاقات کرتے تھے۔'' [ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۳]

قادیانیت کے خلاف کام کرنے کا ذوق

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''شرقِ اوسط کے بعض اہلِ علم ۱۹۵۳ء کی اس تحریک سے آگاہ تھے جو قادینیوں کے خلاف شروع ہوئی تھی اور جس میں اس وقت حکومت پاکستان نے بہت سے علمائے کرام کو گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا تھا اور لاہور میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا تھا۔ شرقِ اوسط کے متعدد اہلِ علم نے بعض پاکستانی شرکائے اجلاس اور یہاں کے علمائے کرام سے خواہش ظاہر کی کہ اگر عربی زبان میں قادیانی مذہب اور تحریک کے متعلق کوئی کتاب یا مضمون ہو تو ان کو پڑھنے کے لیے دیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ اسی سرزمین میں یہ مذہب پیدا ہوا اور اسی علاقے میں قادیانی تحریک نے جنم لیا، اس کو سمجھنے کے لیے یہی جگہ سب سے بہتر ہو سکتی ہے...'' [ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۳]

چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا ۸ ھجری میں شروع ہوئی۔ [عبد القیوم، درجہ مشکوۃ]

قسط:۳۸

اہل حدیث کا علمائے دیو بند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

قادیانی تحریک سے فکر مند

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ کے حالات میں آگے لکھتے ہیں:

''لیکن عربی میں ان کو کوئی ایسی چیز پیش نہ کی جاسکی، جس میں قادیانی تحریک پس منظر بتایا گیا ہو، اس کے بانی کا تعارف کرایا گیا ہو اور اس مذہب کی حقیقت اور اس کی تاریخ بیان کی گئی ہو۔ مولانا رائے پوری کو اس کا پتہ چلا تو افسوس کا اظہار کیا اور انہیں بڑا صدمہ ہوا کہ شرق اوسط کے اہلِ علم کو اس موضوع پر پیش کرنے کے لیے عربی میں کوئی کتاب یا مضمون نہیں ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۳)

قادیانت کے خلاف کتاب لکھوانے کی فرمائش

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''اس سے چند روز بعد مولانا ابو الحسن علی ندوی لکھنؤ سے لاہور آنے والے تھے اور مولانا رائے پوری کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے تھے۔ فرمایا: وہ آئیں گے تو ہم ان سے چمٹ جائیں گے کہ یہ کام کر کے جاؤ۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی لاہور پہنچے تو مولانا رائے پوری نے یہ سارا واقعہ انہیں سنایا اور فرمایا آپ اس موضوع پر عربی میں کتاب لکھ دیں۔ ساتھ ہی بعض حضرات کو جو قادیانیت سے متعلق معلومات رکھتے تھے، حکم دیا کہ وہ اس سلسلے کا ضروری مواد اور سامان مہیا کر دیں۔ مولانا رائے پوری کا قیام ان دنوں صوفی عبد الحمید کی کوٹھی پر تھا۔ انہوں نے کوٹھی کا ایک کمرہ مخصوص کر دیا، جس میں دو تین کے اندر قادیانیت کے متعلق مخالف و موافق تمام کتابیں جمع کر دی گئیں۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۳،۴۹۴)

محورِ توجہ کتاب کی تکمیل

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ابو الحسن علی ندوی مرزائیت کے بارے میں اس وقت تک کچھ نہیں جانتے تھے۔ تاہم ان کے مرشد مولانا رائے پوری کا حکم تھا... وہ اللہ کا نام لے کر اس اہم کام کی تکمیل کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ اب مولانا رائے پوری کا محورِ توجہ یہی کام تھا۔ ان کو ہرگز گوارہ نہ تھا کہ علی میاں صاحب اس کے علاوہ کسی اور کام کی طرف متوجہ ہوں۔ کسی ضروری سے ضروری تقریب میں شرکت کے لیے بھی ان کا کوٹھی سے باہر جانا انہیں گراں گزرتا تھا۔ اگر کبھی معلوم ہو جاتا کہ کوئی دوست اصرار کر کے لے گئے ہیں تو فرماتے کہ پھر یہ کام کیسے ہو سکے گا۔ اس وقت یہ کام سب کاموں سے زیادہ ضروری ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۵)

یومیہ تصنیف کا جائزہ

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''جو کام علی میاں صاحب دن کو کرتے، مولانا رائے پوری شام کی مجلس میں یا کبھی اس سے پہلے اس کا جائزہ لیتے۔ اسے سنتے اور جو لوگ ان کے نزدیک اس موضوع سے باخبر تھے، ان کو اس کی طرف توجہ دلاتے اور فرماتے کہ وہ اسے ملاحظہ کریں اور اپنی معلومات سے مطلع کریں۔ اس کے علاوہ شام کی مجلس میں وہ اور کسی موضوع پر گفتگو کرنا مناسب نہ خیال فرماتے۔ ان کی اس توجہ اور موضوع سے دلچسپی کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی سو صفحات پر مشتمل عربی کی یہ کتاب ایک مہینے کے اندر اندر مکمل ہو گئی اور ۲۷ فروری ۱۹۵۸ء کو وہ اس موضوع سے فارغ ہو گئے۔ یہ نہایت قلیل مدت تھی'' (۴۹۵)

قسط:۳۹

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

''القادیانی والقادیانیۃ'' کتاب

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، مولانا عبد القادر رائے پوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''یہ نہایت قلیل مدت تھی جس میں مولانا علی میاں نے اس موضوع کی کتاب عربی زبان میں تصنیف کی، جس موضوع کے وہ کسی گوشے سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ کتاب ''القادیانی والقادیانیۃ'' کے نام سے خوب صورت عربی ٹائپ میں طبع ہوئی اور مصر، شام اور افریقہ کے ان حصوں میں جہاں قادیانیت پھیل رہی تھی، یہ کتاب بڑی مفید ثابت ہوئی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۵)

کتاب کا اردو ترجمہ

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''اس سے ٹھیک ایک سال بعد جب ۱۹۵۹ء میں مولانا رائے پوری لاہور تشریف لائے اور ابو الحسن علی ندوی بھی ان کے ساتھ تھے، تو ارشاد ہوا کہ اس کتاب کو اردو میں منتقل کر دیا جائے۔ کتابی ذخیرہ بھی جمع کیا گیا تا کہ حوالوں کی مختلف کتابوں کی اصل عبارتیں نقل کی جائیں۔ اردو کتاب میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔ ترجمہ بھی اللہ کے فضل و کرم سے ایک مہینے کے اندر اندر تیار ہو گیا۔ یہ ترجمہ ''قادیانیت'' کے نام سے پہلے لاہور میں چھپا، اس کے بعد لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ترجمہ چونکہ خود فاضل مصنف نے کیا ہے اور بعض اضافوں کے ساتھ کیا ہے، اس لیے عربی کی طرح اُردو ترجمے کو بھی اصل کتاب کی حیثیت حاصل ہے۔''

(ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۵)

کتاب کا انگریزی میں ترجمہ

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''بعد ازاں اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہو گیا جو ظفر اسحاق انصاری نے کیا اور اکتوبر ۱۹۶۵ء میں لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کتاب کے تینوں ایڈیشن (عربی، اردو، انگریزی) بے حد مقبول ہوئے اور اہلِ علم نے بری توجہ سے ان کا مطالعہ کیا۔ اس کی مقبولیت ہی کا نتیجہ ہے کہ انڈونیشیا کی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو گیا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۶)

''الاعتصام'' میں کتاب پر تبصرہ

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''جب اس کتاب کے عربی اور اردو ایڈیشن شائع ہوئے، میں اس وقت ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا ایڈیٹر تھا۔ تبصرے کے لیے یکے بعد دیگرے اس کے دونوں ایڈیشن مجھے بھیجے گئے تھے اور میں نے اس پر تبصرہ کیا تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۶)

حالاتِ حاضرہ سے آگاہی

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا رائے پوری حالاتِ حاضرہ اور عالمی سطح پر روزانہ پیش آنے والے واقعات سے پوری دلچسپی رکھتے اور جو کچھ اس سلسلے میں اخباروں میں چھپتا اور ذرائع ابلاغ کی وساطت سے نشر ہوتا، اس کی اہم اور ضروری تفصیلات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے۔ اپنے خاص انداز میں اس پر ہلکا پھلکا تبصرہ بھی کرتے تھے۔ اس درویش منش بزرگ اور بہ ظاہر دینوی حالات سے بے خبر دکھائی دینے والے صوفی کے مختصر تبصرے اور چند جملے، جائزے بڑے جان دار اور مطابق حال ہوتے تھے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۶)

قسط: ۴۰

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

ملک وملت کی خیر خواہی کا جذبہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

''آزادی کے بعد پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جو چپقلش شروع ہوگئی تھی، اس کا انہیں شدید احساس تھا۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا (اور سب کا یہی ہے) کہ دو ہمسایہ ملکوں میں لڑائی جھگڑے اور باہمی منافرت کی کیفیت باقی نہیں رہنی چاہیے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں بھی کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ کوئی ایسی مستقل صورت پیدا ہونی چاہیے کہ وہاں کے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے، اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ دونوں ملکوں کے متنازعہ مسائل جلد سے جلد حل ہوں۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۶)

علاج کے لیے سفر

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''لاہور کا آخری سفر مولانا عبدالقادر رائے پوری نے ۱۹۶۲ء میں کیا اور پھر وہ اسی شہر سے سفرِ آخرت پر روانہ ہوگئے۔ وہ کئی سال سے مختلف عوارض میں مبتلا تھے اور ہندوستان کے بعض ماہر و معروف معالجوں کے زیرِ علاج تھے۔ کچھ افاقہ ہوا تو اپریل ۱۹۶۲ء میں پاکستان کا عزم کیا۔ اس سے پہلے بھی اس سفر کی تیاری تھی، لیکن معالجوں کے مشورے اور درخواست سے سفر ملتوی کر دیا تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۷)

پروانہ شمع کے گرد جمع

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''اب وہ اچانک رائے پور سے سہارن پور پہنچے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔ لیکن خبر پھیل گئی اور سہارن پور میں ان کی قیام گاہ پر قرب و جوار کے بہت سے عقیدت مند جمع ہوگئے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۷)

سہارن پور سے لاہور واپسی

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''روانگی کا فیصلہ چونکہ عجلت میں کیا تھا، اس لیے ہندوستان کے اس دور کے مرکزی ریلوے وزیر جنرل شاہ نواز کے سیلون کا انتظام جو اس سے قبل مولانا ممدوح کے لیے ہوا تھا، نہ ہو سکا۔ البتہ کمپارٹمنٹ ریزرو کرا لیے گئے۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ (۳۰ اپریل ۱۹۶۲ء) کو پیر کے دن سہارن پور ریلوے اسٹیشن سے روانگی ہوئی۔ کئی آدمی ان کے ہم رکاب تھے۔ دوسرے دن یعنی ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ (یکم مئی ۱۹۶۲ء) کو منگل کے دن وہ لاہور پہنچے۔ حاجی متین احمد کی کوٹھی پر قیام ہوا۔ پاکستان کے اصحابِ ارادت کو ان کی تشریف آوری کا پتا چلا تو لاہور پہنچنا شروع ہو گئے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۷)

طبیعت پر رقت کا غلبہ

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''لاہور آنے کے بعد تقریباً دو مہینے مولانا کی طبیعت ٹھیک اور صحت اچھی رہی۔ نظام اوقات جو پہلے سے جاری تھا، حسبِ معمول یہاں بھی جاری رہا۔ آنے والوں کی تلقین و تربیت باقاعدہ ہوتی رہی۔ البتہ سید انور حسین نفیس رقم کے بقول خاموشی معمول سے زیادہ تھی۔ رقت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس سے پیشتر یہ ہوتا کہ جب رقت طاری ہوتی تو ضبط فرماتے اور آنسو جاری نہ ہو پاتے۔ لیکن اب یہ حالت تھی کی رقت سے بے اختیار ہو جاتے اور آنسو بہہ پڑتے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۷)

انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کے باوجود خود کو وزنی نہیں سمجھتا۔ [محمد سیف الرحمٰن چوہان]

قسط:۴۱

اہلِ حدیث کا علمائے دیو بند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

مرض کا حملہ

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''قیام لاہور کے زمانے میں پرانے مرض (ہائی بلڈ پریشر) کا کئی مرتبہ حملہ ہوا۔ درجہ حرارت بڑھا اور غنودگی طاری ہوئی۔ پھر کئی دن یہ کیفیت رہی۔ عقیدت منداس صورت حال سے پریشان تھے۔ ۱۷ جولائی ۱۹۶۲ء کے بعد اس مرض کے بار بار حملے ہوئے جو بڑے شدید اور پریشان کن تھے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۸)

معتقدین کا مجمع

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا ممدوح ان دنوں حاجی متین احمد کی کوٹھی میں اقامت گزیں تھے اور ان کے معتقدین کی کثیر جماعت وہاں موجود تھی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بھی ان کے عقیدت مند، وہ ۳۰ جولائی کو لکھنؤ سے لاہور پہنچے تھے۔ ان سے مصافحہ کرتے ہوئے فرمایا: ہم تو مرکر بچے ہیں۔ سید صاحب ممدوح حجاز سے تشریف لائے تھے اور اپنے وطن لکھنؤ ہوتے ہوئے لاہور آئے تھے۔ مولانا رائے پوری نے ان سے حجاز کے حالات پوچھے لیکن اس وقت ان کی آواز بہت کمزور تھی اور آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ ان دِنوں مولانا رائے پوری ہندوستان واپس جانے کا اکثر تذکرہ کرتے اور فرماتے میں رائے پور جانا چاہتا ہوں۔ اسی دوران میں حاجی نجم الدین دہلی سے آئے جو وہاں مدراس بوٹ ہاؤس کے مالک ہیں۔ انہوں نے ہندوستان تشریف لے چلنے کا ذکر کیا تو بڑے خوش ہوئے اور جانے کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ لیکن نقاہت اتنی زیادہ تھی کہ سفر کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ بخار بھی تیز تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۸)

ایک چاہت جو پوری نہ ہوسکی

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رائے پور میں ڈاکٹر برکت علی ان کے پرانے معالج تھے۔ ان کے بیٹے محمد حسن اور عقیدت مند راؤ سلیم خاں رائے پوری انہیں رائے پور لے جانے کے لیے لاہور آئے تھے۔ اس کا انہیں بہت احساس تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی فرمایا کہ میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ یہاں مرجاؤں یا وہاں مرجاؤں، لیکن حضرت (شاہ عبد الرحیم) رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد تھا کہ مولوی صاحب زندگی میں اکٹھے رہے، دل چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی اکٹھے رہیں، اس لیے رائے پور کا تقاضا ہے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۹)

وفات

بھٹی صاحب آگے لکھتے ہیں:

''یہ بات مولانا رائے پوری نے منگل کے روز ۷ اگست ۱۹۶۲ء کو حاجی متین احمد کے مکان پر صوفی عبد الحمید سے کی تھی۔ اس روز دوپہر اور شام کا کھانا بیٹھ کر کھایا۔ ۸ اگست کو بدھ کے دن بے ہوشی شروع ہوگئی۔ ۹ اگست کو آیت کریمہ کا ختم اور ظہر کے بعد صحیح بخاری کا ختم شروع ہوا۔ متعدد ایلو پیتھی ڈاکٹر اور یونانی طبیب بھی آئے اور سب نے ان کا اچھی طرح معائنہ کیا معالجوں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔ ۱۵ اگست کو بدھ کے دن طبیعت زیادہ خراب ہوگئی۔ آخر ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء کو جمعرات کے دن ساڑھے گیارہ بجے حاجی متین احمد کی کوٹھی واقع ایمپرس روڈ پر ان کا انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' (ہفت اقلیم ۴۹۹)

انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کے باوجود خود کو وزنی نہیں سمجھتا۔ [محمد سیف الرحمٰن چوہان]

قسط:۴۴

اہل حدیث کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین

رب نواز، احمد پور شرقیہ

وفات کی روح فرسا خبر

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''ریڈیو پاکستان (لاہور) سے اسی وقت یہ روح فرسا خبر نشر کی گئی اور لوگ اس مکان پر آنا شروع ہو گئے، جہاں ان کی وفات ہوئی تھی۔ ہندوستان کے مختلف مقامات میں ٹیلی فون اور ٹرنک کال کے ذریعے اطلاع دی گئی۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۹)

جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''اسی دن ساڑھے پانچ بجے ان کے خادم خاص مولانا عبدالمنان نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اس زمانے میں شملہ پہاڑی کے قریب ایمسیڈر ہوٹل نہیں تھا۔ یہ بہت بڑا میدان تھا جو حاجی متین احمد کی کوٹھی کے قریب تھا۔ جنازہ اسی میدان میں پڑھایا گیا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جنازے میں شریک ہوئے تھے۔ یہ عاجز مولانا سید محمد داود غزنوی کے ساتھ جنازے میں شریک ہوا تھا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۹)

تدفین کے مرحلہ پر غور و فکر

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا رائے پوری کی وفات ہندوستان کے لوگوں کی خواہش تھی کہ ان کی تدفین مرشد کے قریب رائے پور میں ہونی چاہیے، لیکن اس خواہش کو عملی صورت میں لانے کے لیے زیادہ اصرار نہیں سمجھا گیا۔ اس لیے کہ مولانا کے بھیجے، بھانجے اور اعزہ و اقارب ان کے آبائی وطن ڈھڈیاں دفن کرنے پر مصر تھے۔ بعض حضرات نے رائے دی کہ انہیں مولانا احمد علی لاہوری صاحب کے مدفن کے قریب میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کیا جائے تاکہ ہندوستان سے آنے والے ان کے عقیدت مندوں کو قبر پر حاضر ہونے اور دعائے مغفرت کرنے میں آسانی رہے۔ لیکن ان کے قریبی رشتے دار اور ڈھڈیاں اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے لوگ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ آخر نسبی اور خاندانی تعلق غالب آیا اور جنازہ ایمبولنس براستہ لائل پور مولانا کے آبائی وطن ڈھڈیاں کے لیے روانہ ہوا۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۴۹۹)

قبر مبارک

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''ڈھڈیاں میں قبر تیار تھی۔ صبح صادق کے وقت اِدھر تدفین سے فارغ ہوئے اور اُدھر مؤذن نے نمازِ فجر کی اذان دی۔ لوگوں نے جماعت کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی اور غم و اندوہ کا بوجھ اُٹھائے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔'' (ہفت اقلیم صفحہ ۵۰۰)

رفتید و لے نہ از دلِ ما

بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

''رخصت کے وقت لوگ جب آخری سلام کے لیے قبر پر حاضر ہوئے تو عجب منظر تھا اور دلوں پر عجیب کیفیت طاری تھی۔ بالخصوص ہندوستان کے دُور افتادہ خادم جو وہاں سینکڑوں میل کی مسافت پر رہنے والے تھے، سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ آخری حاضری اور آخری سلام ہے۔ اس کے بعد یہاں آنا کہاں نصیب ہوگا۔ مگر زبانِ حال سے صدا اُٹھی۔ ع

رفتید و لے نہ از دلِ ما''

(ہفت اقلیم صفحہ ۵۰۱)

انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اُٹھانے کے باوجود خود کو وزنی نہیں سمجھتا۔ [محمد سیف الرحمٰن چوہان]